نادیہ جہانگیر

اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی کوئی عجلت میں اندر داخل ہوا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے اندر داخل ہونے والے کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

"بابا آپ کو بلا رہے ہیں؟"

"وہ کیوں؟"

"مجھے کیا پتا' آپ خود جائیں اور پوچھ کر آئیں۔"

"اچھا صاحب جاتی ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے سعد کے بالوں کو چھیڑا۔

مکمل ناول

"اماں کدھر ہیں۔" اس نے پیچھے مڑ کر پوچھا۔

"وہ بھی ان کے پاس ہیں؟" وہ سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔

"السلام علیکم بابا!" اس نے دروازے ہی سے سلام کیا تو اماں' بابا دونوں نے جواب دیا۔

"جی بابا!" اس نے اپنے بلائے جانے کی وجہ دریافت کی تو اس کا باپ جیسے چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا؟" اس نے ایک بار پھر پوچھا تو اس کے باپ نے اس پہ ایک گہری نظر ڈالی اور پھر اپنی بیوی کو دیکھنے لگا۔ جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔

اسے کسی انہونی کا احساس ہوا۔ وہ اماں کی اڑی اڑی رنگت والے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔ لیکن ان کے چہرے سے کچھ بھی نہ اخذ کر سکی تو الجھ کر رہ گئی۔

"اتوار کو تمہاری شادی ہے؟" اس کے باپ نے اس کے سر پہ جیسے بم دے مارا تھا۔

"مصطفیٰ کے ساتھ نیکسٹ سنڈے کو۔" اسے لگا جیسے اس نے کچھ غلط سن لیا ہے۔

"سن لیا' اب جاؤ۔"

"بابا!"

"بس' اب جاؤ۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا تو وہ الٹے قدموں واپس مڑی۔ دہلیز پہ اس کے قدم لڑکھڑائے لیکن اس نے خود کو گرنے سے بچا لیا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو! مصطفیٰ!"

"یس....."

"میں ماہا بات کر رہی ہوں۔"

"جی!" وہی ہمیشہ کا ٹھہرا سرد اور ادھورا لہجہ اس کے اندر کو بھی سرد کر گیا۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔" وہ بھی سرد لہجے میں بولی۔

"کہیے۔"

"فون پہ نہیں کسی اور جگہ....."

"میں مصروف ہوں۔" وہی سرد جواب آیا۔

"آپ کا وقت نہیں ضائع ہو گا۔" اس نے دانت کچکچا کر ماؤتھ پیس کو گھورا۔

"لیکن میں فارغ نہیں ہوں۔"

UrduPhoto.com

"آپ... آپ سمجھتے کیا ہیں' خود کو۔ میری زندگی کا سوال ہے اور آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"بات آپ خوب جانتے ہیں۔"

"میں دس منٹ بعد آپ کے ہاں آتا ہوں۔"

"نہیں' پلیز پلیز میری بات سنیں۔ مصطفیٰ' مصطفیٰ' صاحب۔" اس کا چلانا بے سود گیا۔ موبائل آف ہو چکا تھا۔ بے اختیار اس کی آنکھوں میں تیرتا پانی گالوں پہ لڑھک آیا' وہ دیوار کے ساتھ سر ٹکا کر رونے لگی۔ اس پل اسے اپنی سگی ماں بہت شدت سے یاد آرہی تھی۔ سوتیلی نے تو سوتیلا پن دکھا کر اسے اپنے اس بھانجے کے نام کر دینا چاہا تھا۔ جو عورت کی عزت کرنا تو ایک طرف۔ عورت کو اپنے سامنے دیکھنا تک گوارا نہ کرتا تھا۔ جس کا دل' دل نہیں اک پتھر تھا۔ جس میں نہ کوئی احساس تھے' نہ کوئی جذبات' جس کی زبان سے کوئی فالتو بات نہ نکلتی تھی' جس کے لہجے میں کسی نے کوئی گرمی نہ دیکھی تھی اور نہ سنی تھی۔

ماہا سبحانی کی نظر میں ایسے مرد کبھی نہ جچے تھے۔ اور خاص کر مصطفیٰ علی سے تو وہ ہمیشہ چڑتی تھی۔ اسے مصطفیٰ کا ہمہ وقت چپ کا روزہ رکھے رکھنا ہی کھولا دیتا تھا۔ وہ کب سے اسے اپنے گھر آتا دیکھ رہی تھی۔ وہ جب بھی ان کے گھر آتا بہت چپ چپ اور افسردہ افسردہ سا رہتا۔ اس نے جب بھی اس سے بات کرنا چاہی وہ کچھ ایسے سپاٹ اور سرد لہجے میں بولتا کہ وہ خود ہی شرمندہ ہو کر باقی بات ہونٹوں میں ہی دبا لیتی۔ وہ کراچی میں رہتا تھا۔ ان دنوں اسلام آباد کسی کام سے آیا ہوا تھا کہ بابا اور اماں نے اسے سولی پہ چڑھانے کا فیصلہ سنا دیا۔ اور وہ ان کے فیصلے پر حیران تھی کہ نہ تو اس کا باپ رشتہ مانگنے آیا تھا اور نہ بھائی۔ پھر انہوں نے ہاں کیوں کی۔

"آپ کو کیا کہنا تھا؟" ٹھیک دس منٹ بعد وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ بلیک پینٹ اور وائٹ شرٹ میں ہمیشہ کی طرح وہ بہت دلکش لگ رہا تھا اس کی اسٹرونگ اور ڈیشنگ پرسنالٹی میں وہ صرف اک لمحے کے لیے کھوئی تھی اور پھر کچھ بول نہ پائی۔

"آپ نے فون کیا تھا۔ غالباً" اس نے اپنا سفید چشمہ اتار کر بغور دیکھتے ہوئے اسے کچھ یاد کرانا چاہا تھا۔ وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔ وہ سامنے والے کو بہت کم دیکھتا تھا۔ اس کی ایک یہ بھی عادت تھی کہ وہ آنکھیں جھکا کر رکھتا تھا اور اس وقت وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے لیے یہ بہت حیران کن بات تھی۔

"ماہا...!"

"وہ مصطفیٰ... میں نے آپ سے..."

"مصطفیٰ بیٹا! تم کب آئے؟" اماں نے اس کی بات مکمل ہونے نہ دی۔ مصطفیٰ بھی پیچھے دیکھنے لگا۔ وہ سر جھکا گئی اس پل اس کا جی چاہا وہ دہاڑیں مار مار کر روئے۔

"ماہا نے کوئی بات کرنی ہے۔" اس کی سچ بولنے کی عادت اس کے ٹکڑے کر گئی۔

"ماہا نے...؟ لیکن ماہا نے کون سی بات کرنی ہے؟"

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔"

وہ وہاں سے چلی گئی۔

نہ نہ کرتے ہوئے بھی وہ دن آن پہنچا تھا۔

وہ بالکل بے حس و بے حرکت بیٹھی تھی۔ اسے کوئی پروا نہ تھی کہ اس کے دائیں بائیں کیا ہو رہا ہے۔

وہ جانتی تھی تو صرف اتنا کہ اس کی سوتیلی ماں نے اپنا سوتیلا پن دکھا دیا تھا۔ سخت گیر باپ نے اپنی دوسری بیوی کے مجبور کرنے پر اپنی سگی اولاد کو دلدل میں دھکیل دیا تھا۔ وہی روایتی سوتیلی ماں' وہی اس کے چنگل میں پھنسنے والا باپ وہی اندھا گھر' وہی اندھے رشتے۔

رخصتی ہوئی اماں' بابا روتے روتے اسے گلے سے لگانے لگے تو اس نے سختی سے سر جھٹک دیا نہ اماں سے ملی نہ بابا سے۔ سعد کے ساتھ لگ کر خوب روئی' اور پھر مصطفیٰ کے ساتھ آبیٹھی۔ وہ اسے مصطفیٰ نہیں برف کا گلیشیئر لگا تھا۔ وہ بالکل برف تھا۔

"میرے نصیب میں یہ برف ہی کیوں ہے؟" وہ کن انکھیوں سے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتی

الڈ آنے والے آنسوؤں کو روک نہ سکی۔

وہ مہندی والے ہاتھ پھیلائے انہیں گھورے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ کتنی بار اس کا جی چاہا اٹھ کر اپنا حلیہ تبدیل کر لے لیکن پھر بیٹھی رہی۔ ہاتھ بڑھا کر بیڈ پہ سیج کے نام پہ بکھرے پھولوں کی چند پتیاں اٹھا لیں اور انہیں مسل کر وہیں گرا دیا۔

کچھ دیر کے بعد وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا' بنا کچھ کہے اسے دیکھتا رہا۔ وہ سر جھکائے اس کے دیکھنے پہ الجھتی رہی۔

"میں کیسا ہوں؟" خاموشی کو اس کی بھاری اور سرد آواز نے توڑا تھا۔ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

سفید عدسوں والے چشمے میں اس کی آنکھیں ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ وہ کچھ پل اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی اور پھر نظریں جھکا گئی۔ وہ اپنے سر کے نیچے دونوں ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے نیم دراز ہو گیا۔ اور مسلسل اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اندر ہی اندر جز بز ہوتی رہی اور اس کا دل دھڑک کر رہ گیا۔

جب اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گال کو چھوا اور پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی انگلی کی پور پہ چمکتا آنسو دیکھا۔

"رو لو جتنا رونا چاہتی ہو۔" اور اسے تو رونے کا صرف بہانہ چاہیے تھا۔ اس کے کہنے کی دیر تھی اس کی آنکھیں بہنے لگیں۔ کچھ دیر وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا اور پھر اس کے گرد اپنے بازو پھیلا دیے۔ وہ اس کے سینے پہ سر رکھے تب تک روتی رہی جب تک اسے یاد نہ آگیا۔ کہ اس کا سینہ بہت سرد ہے۔

صبح وہ کسی کے ہلانے پہ جاگی تھی۔ مندی مندی آنکھوں سے اپنے شانے پہ اس کا ہاتھ دیکھا تو فوراً سیدھی ہو گئی۔

"اٹھو ناشتا کر لو' پھر ہمیں جانا ہے۔" وہ اس کے شانے سے ہاتھ ہٹا کر تولیے سے اپنے گیلے بال رگڑنے لگا۔ تو وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ شاور لینے کے بعد کچن میں گئی تو ایک چھوٹی ٹرے میں ناشتا تیار پایا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اسے چائے بناتے دیکھ کر وہ بھونچکی رہ گئی۔

"دیکھ لو۔"

"آپ مجھے پہلے جگا دیتے۔" وہ خواہ مخواہ شرمندہ سی ہو گئی تو وہ سر گھما کر اسے دیکھنے لگا۔

"روز اپنا ناشتا خود بناتا ہوں۔ آج تم بھی میری مہمان ہو' سو بنا دیا؟" اس کے لہجے میں اجنبیت بہت نمایاں تھی۔ وہ لب بھینچ کر خاموشی سے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

"پہلے ناشتا کر لو۔"

"آپ...؟" وہ ہاتھ دھو کر باہر نکلنے والا تھا' جب پیچھے سے اس نے اسے پکارا۔

"میں کر چکا ہوں۔" وہ سرد مہری سے کہتا باہر نکل گیا۔

"یا اللہ! آج پہلا دن ہے' اس آدمی کے ساتھ پوری زندگی کیسے کٹے گی۔" اس نے اپنا سر دونوں

pocetdu.com
UrduPhoto.com

ہاتھوں پہ گرالیا تھا۔ کچن سے باہر نکلی تو وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"گھر والوں سے ملنے جانا ہے؟" فون بند کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"نہیں!" اس کے اتنی تیزی سے کہنے پر وہ چونکا ضرور، مگر اس نے "کیوں" کا سوال نہ اٹھایا۔

"پھر دو منٹ میں تیار ہو جاؤ۔ تمہارا بیگ میں گاڑی میں رکھ چکا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جانا ہے؟" وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"کراچی!"

"کراچی؟" اس کی سانسیں اٹک گئیں۔

کپ پکڑے وہ ریلنگ سے نیچے جھانکنے لگی۔ سیاہ گھور اندھیری رات میں روشنیوں کا شہر واقعی روشن ستارہ بنا ہوا تھا۔ سڑک پہ ٹریفک رواں دواں تھی۔ گھور اندھیرے میں سناٹے کی بجائے گاڑیوں کا شور، لوگوں کی آوازیں ہی گونج رہی تھیں۔ ہر سو روشنیوں میں مرد عورتیں، بچے اور گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں۔ وہ کچھ دیر نیچے سڑک پہ جھانکتی رہی اور پھر اکتا کر ریلنگ سے کمر ٹکا کر باقی چائے گھونٹ گھونٹ اپنے اندر اتارنے لگی۔

"نہیں یہاں آئے آج چوتھا دن تھا اور وہ ان چار دنوں میں جیسے چار سال گزار چکی تھی۔ وہ صبح جاتا رات بارہ ایک بجے واپس لوٹتا۔ نہ اس سے کچھ پوچھتا، نہ خود کوئی بات بتاتا۔ اگر بھولے سے کوئی بات کر بھی لیتا تو دو چار لفظوں میں سمیٹ کر بات کا اختتام بھی کر دیتا اور وہ اس کی ادھوری بات کی تشنگی لے کر رہ جاتی۔

گیٹ کے پار گاڑی کا ہارن بجا تو وہ گردن گھما کر پیچھے دیکھنے لگی۔ چوکیدار بابا گیٹ کھول رہا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"تم یہاں ہو۔" کچھ دیر بعد وہ بھی ٹیرس پہ موجود تھا۔ اضطراری حالت میں ماتھے پہ بال بکھرائے، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کیے، کپڑے تبدیل کیے بغیر وہ اضطرابی کیفیت میں اسے ڈھونڈ رہا تھا اس کے لیے یہ بہت عجیب بات تھی۔ وہ سیدھی ہو کر اثبات میں سر ہلانے لگی تو وہ اسی کیفیت میں بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔

"خیریت؟"

"میں سمجھا تم بھی چلی گئی ہو۔" وہ پیچھے پلٹا۔ اس بار اس کے لہجے میں اطمینان تھا۔

"کہاں؟" وہ بھی اس کے پیچھے ہولی۔

"پتا نہیں۔" وہ صوفے پہ بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا تو اس نے ٹیرس ڈور بند کیا اور اس کے سامنے بیڈ پہ ٹک گئی۔

"مصطفیٰ آپ بہت مضطرب دکھائی دے رہے ہیں۔" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں، بس ویسے ہی اک وہم سا ہو گیا تھا۔" وہ جوتے بیڈ کے نیچے رکھ کر واش روم میں گھس گیا۔ واپس آیا تو وہ اسی حالت میں بیٹھی تھی۔ تولیے سے بال رگڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"کیا وہم ہو گیا تھا؟" وہ ابھی اسی "وہم" میں اٹکی ہوئی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگا تو وہ اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔ وہ چونک کر اپنے پیچھے ابھرتے وجود کو دیکھنے لگا۔ بالوں میں چلتا برش رک گیا۔

"آپ دیر سے گھر کیوں آتے ہیں؟"

"گھر میں جی نہیں لگتا۔" وہ پھر سے بالوں میں برش چلانے لگا۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کی ایں ذرا سی بات نے اس کی آنکھوں میں مرچیں لگا دی تھیں۔ وہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

وہ رو دینے کو تھی، وہ پھر آئینے میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"نہ میرا جی لگتا ہے، نہ تمہارا تو پھر کیا کریں۔؟" وہ گھوم کر اس سے براہ راست مخاطب ہوا۔

"آپ جلدی گھر آجایا کریں۔" ہاتھوں کی انگلیاں مسلتے ہوئے اس نے درخواست کی تھی۔

"یہ تو تمہارا مسئلہ حل ہوا۔ میرا تو نہیں۔ اس فرض کو کسی بھی طرح نبھاؤں گا چاہے جی نہ مانے۔" سچائی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ شکایتی نظروں سے اسے دیکھتی رو پڑی۔

"رو تو نہیں، میں نے کوئی جھوٹ تو نہیں بولا۔" وہ بے چین سا ہو کر اس کے آنسو پونچھنے لگا تو وہ بجائے چپ ہونے کے اور رونے لگی۔

"ایسا کرو تم واپس چلی جاؤ۔"

"مجھے نہیں جانا۔"

"بعد میں بھی تو چلے جانا ہے۔" وہ الجھن آمیز انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ وہ اسے چھوڑ کر بیڈ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اپنی ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑنے لگی۔ وہ بیڈ پہ نیم دراز ہو گیا۔

"کھانا لاؤں؟"

"نہیں، تم ادھر آؤ۔" وہ چلتی ہوئی بیڈ کے پاس رکی اور پھر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ جہاں اس کے گالوں پہ سرخی دوڑی تھی۔ وہیں اس کی پلکیں بھی لرز کر رہ گئیں۔ وہ ہاتھ کے انگوٹھے سے اس کی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

"پتا نہیں کیوں، میرا جی چاہتا ہے تم مجھے کبھی نہ چھوڑ کے جاؤ۔" وہ یہ بات نہیں جانتی تھی کہ وہ کس اندیشے کے زیر اثر آکر اس سے یہ کہہ گیا تھا۔ وہ بہت نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔

"حالانکہ یہ میں جانتا ہوں کہ تم بھی کبھی نہ کبھی مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔ اکیلا بنا، بے بس و مجبور کر کے۔" اس پل ماہا نے اس کے لبوں پر بہت افسردہ مسکراہٹ دیکھی تھی۔ وہ بے چین سی ہو گئی۔

"سب ایسے ہی کرتے ہیں سب چھوڑ کے چلے جاتے ہیں، تم بھی چلی جانا۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں لیکن..... لیکن یہ یاد رکھنا جب چھوڑ کے جانے لگو تو مجھے جانے کی وجہ بتا کر ضرور جانا۔ اور دیکھو سچ بولنا ہے، جانتی ہو نا مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ اگر جھوٹ بولا تو میں تمہیں تب تک جانے نہ دوں گا جب تک سچ نہ بولو گی۔" اس کا سرد ہاتھ اب بھی اس کے گال پہ تھا۔ لیکن اسے اس کے سرد ہاتھ کی ہتھیلی سے عجیب وحشت اور خوف سا محسوس ہوا تو اس کے بالوں میں چلتی اس کی انگلیاں رک گئیں۔ وہ خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

UrduPhoto.com

"جب کوئی سچ بول کر مجھے چھوڑتا ہے تو مجھے تکلیف ضرور ہوتی ہے، لیکن جب کوئی جھوٹ بول کر مجھے الوداع کہتا ہے تو مجھے بہت اذیت ہوتی ہے۔"

اب کی بار پھر اس کے ہونٹوں پر وہی مردہ مسکراہٹ تھی۔

"آپ دل سے مسکراتے کیوں نہیں؟"

"مجھے مسکرانا نہیں آتا۔"

"کون لوگ تھے، جو آپ کی مسکراہٹ لے گئے؟"

"تھے کچھ لوگ۔۔۔ بعد میں تم بھی انہی لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جاؤ گی۔" اب کی بار اس کا لہجہ سرد سہی لیکن سہما ہوا بھی تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر میں اکیلی تھی۔ ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی۔ ٹی وی دیکھ کر بور ہی ہونا تھا سو بور ہوتی رہی۔ دن تو گزارنے تھے۔ کوئی نہ کوئی طریقہ تو اپنانا ہی تھا۔ کبھی وہ کوکنگ کا بہت شوق رکھتی تھی۔ لیکن اب کس کے لیے پکاتی۔ وہ کھانے کا شوقین نہیں تھا۔ وہ اپنے لیے بھی کچھ پکانے کی زحمت نہیں کرتی تھی۔

وہ اکتائے انداز میں ٹی وی پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ جب فون کی بیل نے پورے گھر میں ارتعاش سا بپا کر دیا۔ وہ اسی انداز میں فون اسٹینڈ کی طرف بڑھی۔

"ماہا! ماہا!" ابھی اس نے ہیلو ہی کہا تھا جب دوسری طرف سے بڑی بے چینی سے اسے پکارا گیا۔ وہ اس آواز پہ کانپ گئی۔

"بولو ماہا تم ہو نا؟" وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

"میں جانتا ہوں تم ہو ماہا۔ ماہا پلیز بولو نا۔"

"ارسل۔۔۔ تت۔۔۔ تم نے یہ نمبر۔۔۔"

"نمبر کو چھوڑو [illegible] اور یہاں آکر تم نے مجھ سے کانٹیکٹ کیوں نہیں کیا؟" اس کے لہجے اور انداز میں سابقہ بے تابی ہنوز تھی۔ وہ اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"ناراض تھیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے بتاتی ہی نہ، جانتی ہو کس قدر بے چین ہوں میں تمہارے لیے، کس قدر تڑپ رہا ہوں۔"

"ارسل پلیز۔۔۔" اس نے اسے ٹوکنا چاہا، لیکن اپنی کوشش میں ناکام رہی۔

"کیوں بند باندھنا چاہتی ہو میرے بے قابو جذبات پر؟ کیوں میری بے تابی بڑھا رہی ہو۔ جانتی ہو بہت ادھورا رہ گیا ہوں میں تمہارے بغیر، نہیں جی سکتا اب بنا تمہارے۔" اس کے لہجے میں صدیوں کا درد اتر آیا تھا، لیکن اس کے اعصاب جھنجھنا کر رہ گئے۔

"ارسل پلیز! بند کرو اپنی بکواس، نہیں سنا چاہتی میں تمہارے یہ ڈائیلاگز۔"

"تمہیں یہ ڈائیلاگز لگ رہے ہیں، میری زندگی بے رنگ و بے نور ہو چکی ہے اور تمہیں یہ ڈائیلاگ، بہت سنگدل ہو ماہ تمہارے نام میں نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے اور تم ماہ، تم میری باتوں کو ڈائیلاگز کہہ رہی ہو۔"

"شٹ اپ ارسل، شٹ اپ۔۔۔" وہ اتنے زور سے دہاڑی کہ اسے اپنی آواز ہی اجنبی لگی۔

"وائے؟"

"میں اب ماہا سبحانی نہیں، ماہا مصطفیٰ ہوں۔ تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے اب میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔"

"ماہ۔۔۔ ماہ تم نے شادی کر لی کیوں؟ مصطفیٰ سے کیوں؟ تمہیں میں کیوں نہیں یاد آیا؟"

"ہاں میں نے شادی کر لی ہے اب میرا پیچھا چھوڑ دو۔" وہ بہت بے بسی، بے چاری سے چلائی۔

"کیوں چھوڑ دوں پیچھا۔ جب تک تم میری نہیں ہو جاتیں میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

"ارسل! کچھ خوف کرو۔ تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔"

"میرے بجائے تم نے کسی اور سے شادی کر لی ہے۔ کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے۔"

"شٹ اپ!"

"تم مجھے کل کہیں مل سکتی ہو؟"

"نہیں ارسل پلیز۔"

"پلیز ماہ میں تمہیں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"چپ ہو جاؤ پلیز، میں نہیں تم سے نہیں ملنا چاہتی۔" اس نے چلا کر فون بند کر دیا اور وہیں گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگی۔ فون کی بیل بار بار بجتی رہی لیکن اس نے ریسیو نہ کیا۔

ایک بار پھر اس کے اندر خوف سا چھا گیا تھا۔ وہ تو ارسل بٹ کو بھول بھی چکی تھی اور وہ ایک بار پھر اس کے در پہ صدائیں لگانے آ گیا تھا۔

ارسل بٹ کالج میں اس کے ساتھ ہی پڑھتا تھا۔ بہت رنگین مزاج تھا۔ طبیعت اور مزاج دونوں میں بے تحاشا رنگینی اور شوخی تھی۔ لڑکیوں کو پھانسنا اور لمبے چکروں میں گرفتار کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اور اسی مشغلے کو برقرار رکھنے کے لیے اس نے اپنے ہاتھ ماہا کے سامنے بھی پھیلا دیے تھے۔ ماہا کو ایسے لوگوں سے بھی نفرت تھی اسی لیے اس نے اس کے خیال کو جھٹک دیا تھا، لیکن وہ بجائے پیچھے ہٹنے کے اس کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا اور اسے بار بار یقین دہانی کراتا رہا کہ وہ اس کے ساتھ پر خلوص ہے اور دل جان سے اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا ہے، لیکن اس نے ہمیشہ اس کی محبت کو جھٹلایا تھا اور کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہ کی تھی۔ اور اب وہ ایک بار پھر سابقہ بے تابیاں اور بے چینیاں لیے ماہا، ماہا پکار رہا تھا۔ وہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

اسے لگ رہا تھا اس نے مصطفیٰ کو سمجھنے میں کہیں غلطی کی ہے وہ مصطفیٰ کو جیسا سمجھتی تھی حقیقتاً" وہ ویسا نہیں تھا۔ وہ مصطفیٰ کو جذبات و احساسات سے عاری شخص سمجھتی تھی لیکن اب اس کے ساتھ رہتے ہوئے اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے مصطفیٰ نے جان بوجھ کر اپنے جذبات اور محسوسات پر بند باندھ رکھے ہیں۔

وہ بہت موڈی بندہ تھا۔ جب موڈ میں ہوتا اس سے ڈھیروں باتیں کرتا اور جب بے زار ہوتا تو اسے آؤٹ ہونے کا اشارہ کر دیتا۔ اسے اس کا بے زار ہونا اور بے زار رہنا بہت برا لگتا تھا، پہلے بھی اور اب بھی۔ بے شک اس نے اس کی چاہ نہیں کی تھی اور اس کی نظر میں اس کی سوتیلی ماں نے اسے جان بوجھ کر اپنے محبت و چاہت سے اپاہج بھانجے کے ساتھ بیاہا تھا۔

اماں، بابا کے ساتھ اس کی ناراضگی ہنوز تھی۔ شادی کے اوائل دنوں میں مصطفیٰ سے اس نے وہ محبت نہیں پائی تھی جو اک نئی نویلی دلہن اپنے دلہا سے پاتی ہے۔ اسی لیے اماں، بابا سے ناراضگی میں اس کی شدت بڑھ گئی تھی جو اب تک قائم تھی۔ لیکن جو ناراضگی شروع سے ہی مصطفیٰ کے لیے اس کے دل میں موجود تھی وہ قدرے کم ہو گئی تھی۔ اب وہ اس کا خیال رکھنے لگی تھی کیونکہ وہ بھی دل سے نہ سہی لیکن پھر بھی اس کا خیال کرنے لگا تھا۔ اسے اہمیت دینے لگا تھا۔

وہ شام کی آنکھوں کا اک بہروپ لگا۔
کچھ چھاؤں کچھ دھوپ لگا!
نجانے کیوں وہ مجھے کچھ اپنا ہی روپ لگا!

وہ رات کا کھانا تیار کر رہی تھی۔ وہ کچن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اپنی پشت پر اس کی نظریں محسوس کر کے وہ پیچھے پلٹی تو بے اختیار لب کچل کر رہ گئی۔ وہ اپنی سرخ آنکھوں میں نجانے کون سا دکھ درد لیے کھڑا تھا۔ وہ اسے اس پل اذیت میں مبتلا لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" وہ چلتا ہوا اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"دیکھ رہا ہوں تمہارے ہوتے ہوئے یہ کچن بہت مکمل لگ رہا ہے، لیکن ایک خرابی ہے اس میں۔۔۔" وہ کباب تلنے لگا۔ وہ بنا کچھ کہے اسے دیکھتی رہی۔ "میں نے یہاں جسے بھی کھڑے دیکھا ہے۔ دوبارہ وہ کبھی گھر میں بھی مجھے نظر نہیں آیا۔" وہ افسردگی سے کہتا کبابوں کو الٹ پلٹ کرتا پلیٹ میں نکالنے لگا۔ اس پل اس نے اس کا درد اپنے اندر اترتا محسوس کیا تھا۔

UrduPhoto.com
Oneurdu.com

"سوچ رہا ہوں اب تم یہاں دوبارہ نظر آؤ گی یا نہیں۔" افسردگی سے سوالیہ نظریں اس پہ ڈالیں۔ تو وہ بے اختیار بول اٹھی۔

"میں نے کہاں جانا ہے مصطفیٰ میں ہوں آپ کے گھر میں آپ کے آس پاس۔"

"اوں' ہوں میرے پاس نہیں۔" اس نے نہایت سفاکی سے اس کو جھٹلایا۔

"جو میرے پاس ہوتے ہیں' وہی میرے پاس نہیں رہتے' تم کہو تم میرے پاس نہیں ہو۔" یکدم وہی سردی اس کے لہجے میں آسمائی تھی۔

"لیکن مصطفیٰ میں آپ کے پاس ہوں۔ آپ ....."

"بس تم کہو تم میرے پاس نہیں ہو۔" وہ عجب ضدی لہجے میں بولا تو اس کی حیرت سے آنکھیں پھٹ گئیں۔

"میں آپ کے پاس موجود ہوں تو میں کیوں کہوں کہ میں آپ کے پاس موجود نہیں ہوں جب کہ میں آپ سے ایک ہاتھ کے فاصلے پہ کھڑی ہوں۔"

"تو نہیں کہو گی؟" وہ سرد مہری سے کہہ کر کچن سے چلا گیا۔ فون کی گھنٹی بجی تھی اس نے بنا سوچے سمجھے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو ماہ..... تم ماہ بول رہی ہو نا؟" دوسری طرف بے چینی' بے قراری تھی۔

"ہیلو' ہیلو ماہ!"

"شرم کرو ارسل پلیز!"

"شکر ہے تم ہی ہو۔" ادھر سے گہرا سانس لیا گیا تو اس کی رگیں تن گئیں۔

"کیا تکلیف ہے اب.....؟ نہایت غصے سے وہ چلائی۔ وہ پہلے سے زیادہ بے قراری دکھانے لگا۔

"تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو میں نے کہہ جو دیا ہے نہ میرا تم سے کوئی رشتہ ہے اور تمہارا مجھ سے۔ پھر کس ناتے مجھ سے ملنا چاہتے ہو تم۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فون پہ ہی اس کی درگت بنا دے۔

"تم نہ سہی میں تو تم سے محبت کرتا ہوں نا!"

"شٹ یور ماؤتھ۔"

"کیا کروں ماہ چین نہیں آ رہا کہ تم یہاں ہو میرے شہر میں میرے پاس' میرے اتنے قریب اور میں کتنا بدنصیب ہوں نہ تمہیں دیکھ سکتا ہوں اور نہ تم سے مل سکتا ہوں' یہی بات مجھے چین نہیں لینے دے رہی ماہ! تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ کسی کل چین نہیں مجھے۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھا اس کے تنے چہرے سے جیسے پسینہ پھوٹ پڑا۔

"تمہیں یہ کیوں یاد نہیں آ رہا کہ میں مسز مصطفیٰ ہوں۔" وہ بے بسی سے جیسے چلائی تھی۔

"میرے لیے تو تم وہی ماہ ہو نا۔"

"میں نے تم سے کبھی کوئی وعدے نہیں کیے۔ میری ازدواجی زندگی کو ڈسٹرب مت کرو پلیز کوئی اور نمبر ملا لو مجھے معاف کر دو۔"

"سنو ماہ!"

"مجھے کچھ نہیں سننا پلیز' آئندہ مجھے فون مت کرنا۔" اس نے ..... پن نکال دی۔

وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی' جب فون کی گھنٹی نے شور مچا دیا۔

"یار اٹھ جاؤ۔"

"آپ خود سن لیں۔" اس کے دل میں کوئی اور گھنٹی بج رہی تھی اسی لیے وہ اٹھنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"دل تو نہیں کر رہا لیکن اگر تم کہتی ہو تو....."

"جاتی ہوں۔" وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر واقعی ارسل ہو اور وہ مصطفیٰ سے کچھ الٹی سیدھی کہہ دے۔" اسی بات نے اسے اٹھنے پہ مجبور کیا تھا اور اس کا یہ خیال سچ ثابت ہوا تھا۔ ریسیور اٹھاتے ہی اس کی بھاری آواز ابھری تھی۔

"میں تو سوچ رہا تھا تمہارے میاں سے بات ہو گی لیکن شاید تمہیں میرے فون کا انتظار تھا۔" اب کی بار ارسل کے لہجے میں کوئی بے قراری یا بے چینی نہیں تھی' بلکہ اس کا لہجہ بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ ٹھٹک گئی۔ اک خوف سا اس پہ غالب آ گیا۔

"کیا کہنا ہے؟" بہت دھیمی مگر مردہ آواز میں بولی تو قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"میاں کہیں قریب ہی تو نہیں؟"

"کیوں کیا ہے فون؟"

"تمہاری آواز سننا چاہتا تھا۔"

"بہت ڈھیٹ ہو تم۔"

"ڈھیٹ نہیں بے چین ہوں۔" اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا' لیکن اس کی آنکھیں بے بسی سے چھلک پڑیں مگر پھر اسے جلد ہی یہ خیال آ گیا کہ وہ اس کے آنے کا منتظر ہو گا۔

اس نے آنکھوں کو دوپٹے سے رگڑا۔ وہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا تھا۔ وہ خاموشی سے لیٹ گئی۔ وہ اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس کے گرد اپنی گرفت مضبوط کر چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مصطفیٰ۔" وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنے اوپر پرفیوم چھڑک رہا تھا جب پیچھے سے اس کی آواز سنائی دی۔

"ہوں!"

"آج آپ آفس نہ جائیں۔"

"کیوں؟" وہ حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ تو وہ اس کے قریب آ گئی۔

"بس آپ نہ جائیں۔"

"کوئی وجہ.....؟"

"کوئی نہیں۔"

"تو پھر.....؟"

"ضروری ہے کوئی وجہ ہی ہو آپ آج گھر میں نہیں رہ سکتے۔" وہ چڑ گئی۔

"چھٹی کرنے کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔" وہ پیچھے پلٹ کر دوبارہ سے آئینے میں اپنا سراپا دیکھنے لگا۔ وہ گہرے سانس لیتی کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔

"اچھا پھر میں چلتا ہوں۔" وہ بیگ اٹھا کر اس کے قریب آیا تو وہ بے ساختہ اس کا سرخ ستا ستا سا چہرہ دیکھنے لگی۔ آنکھوں کی رنگت بھی بے حد پھیکی تھی۔ وہ آج اسے روکنا چاہ رہی تھی کیونکہ وہ بیمار تھا لیکن وہ اپنی بیماری کو مانتا نہ تھا۔ اسے آرام کی ضرورت تھی' لیکن وہ جان بوجھ کر آرام کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔ نجانے وہ خود کو اتنی سزا کیوں دیتا تھا۔

"تو پھر میں جاؤں؟" نجانے کیوں وہ اس سے پوچھ رہا تھا وہ کچھ نہ بولی تو وہ اس کا گال تھپتھپا کر باہر نکل گیا۔ جبکہ وہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا کر بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

"کیا تھا اگر میری ذرا سی بات مان جاتے۔ یہ فرمائش بھی میں نے اپنے لیے تھوڑی کی تھی تمہاری خاطر ہی تمہیں روک رہی تھی اور تم اتنے بے مروت' ناراض کرنا جانتے ہو راضی کرنا آتا نہیں۔" بھیگتی آنکھوں نے گالوں کو بھگویا تو وہ اک دم سے چونک گئی۔ وہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"کک..... کچھ نہیں۔" وہ جھٹ ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

"آپ' آپ ابھی گئے نہیں۔"

"تم جانے دو گی تو جاؤں گا نا۔"

"کیا مطلب..... مم میں نے۔"

"مطلب یہ کہ تم مجھے بتا نہیں سکتی تھیں کہ مجھے سخت بخار ہے جس کے لیے مجھے آرام کی شدید ضرورت ہے اور میں اس لیے گھر پہ رہ کر خوب آرام کروں۔"

"یہ کہوں گی تو آپ ڈانٹ دیں گے۔" اس نے سادگی سے جیسے اسے اطلاع دی تھی۔

"تو مجھے روکنے کی اصل وجہ یہی ہے؟" وہ بنا بولے اثبات میں سر ہلا گئی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ اس کی خاموشی سے گھبرا وہ کچھ کہنے کا سوچ ہی رہی تھی جب وہ بول پڑا۔

"کبھی کبھی تم مجھے بہت اچھی لگنے لگتی ہو۔" اس کا دل یکبارگی دھڑکا۔ وہ بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"پتا نہیں کیوں مجھے لگنے لگا ہے تم اور لوگوں جیسی

Posted by Naeemi
Oreyugu.com
UrduPhoto.com

نہیں ہو۔ تم مختلف ہو، بہت مختلف۔ سب سے ہٹ کر، تم میں مجھے ملاوٹ نظر نہیں آتی، مجھے لگتا ہے تم میں کوئی دھوکا نہیں، تم بہت مختلف ہو ماہا، پتا نہیں کیوں لیکن مجھے ایسا لگنے لگا ہے۔" وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت وارفتگی سے کہتا یکدم مضطرب سا ہو گیا اور اس کے ہاتھ چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ وہ ہق دق سی رہ گئی۔

وہ کچن میں کھڑی تھی کہ کسی نے آکر کچن کے دروازے پر اپنی انگلیاں بجائیں وہ چونک کر دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

جینز شرٹ میں ملبوس نازک نقوش والی لڑکی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ، آپ کون؟" وہ شش و پنج میں مبتلا تھوڑی آگے بڑھی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ سامنے والوں سے واقف نہ تھی۔

"مصطفیٰ کہاں ہے، کدھر ہے وہ؟" لڑکی بڑی عجلت میں دائیں بائیں دیکھتی وہاں سے ہٹ گئی، وہ بھی کچن سے باہر نکل آئی۔

"بتاؤ کدھر ہے وہ؟"

"لیکن آپ ہیں کون؟" لڑکی آگے آگے تھی اور وہ پیچھے پیچھے۔ لڑکی کبھی ادھر جھانک رہی تھی کبھی ادھر اور وہ حیران پریشان صورت لیے اس کی پیروی کر رہی تھی۔ نجانے کون تھی اور کیوں اس طرح کر رہی تھی۔

"تم بتاتی کیوں نہیں کدھر ہے وہ؟"

"پہلے آپ بتائیں آپ ہیں کون؟" اس نے نہایت تیزی سے پوچھا تو لڑکی اسے غور سے دیکھنے لگی۔

"اچھا تو وہ اپنے روم میں ہو گا۔" وہ اس کا سوال نظر انداز کرتی واپس پلٹی۔

"ضروری نہیں وہ اپنے روم میں ہی ہوں، وہ اپنے آفس بھی ہو سکتے ہیں۔" اس نے بھی تیکھا سا جواب دیا۔

"وہ وہاں نہیں ہے میں وہاں سے ہو کر آئی ہوں۔"

"پلیز آپ آرام سے بیٹھیں، میں ان کو بلاتی ہوں۔ اگر آپ کو کوئی ضروری کام ہے تو وہ آپ سے مل لیتے ہیں۔" اس لڑکی کے سامنے وہ بالکل ہونق لگ رہی تھی۔

"وہ گھر میں ہے تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" لڑکی جیسے متوحش سی ہو گئی اس کے انداز پہ اسے بھی جی بھر کر غصہ آیا مگر وہ کنٹرول کر گئی۔

"آپ بیٹھ کر بات کریں گی تو میں آپ کو بتاؤں گی نا یوں کسی کے گھر آکر۔"

"کون سا روم ہے اس کا؟" لڑکی نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"مصطفیٰ مصطفیٰ۔" اس سے پہلے کہ وہ لڑکی آگے بڑھتی وہ وہیں سے مصطفیٰ کو آواز دینے لگی اور وہ پہلی آواز پہ ہی باہر نکل آیا لیکن لڑکی پہ نظر پڑتے ہی یکدم اس کے قدم رکے تھے۔ ماہا نے اسے ٹھٹکتے دیکھا تھا۔

"بھائی، بھائی آپ....." اس کے بھائی کہنے پر ماہا بھی ٹھٹک کر رہ گئی۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں؟" اس کی آواز نہیں برف کا تودہ گرا تھا۔ لڑکی اس کی سمت بڑھی تھی۔

"بھائی میں اپنے لیے نہیں آئی مما۔"

"اس سے پہلے کہ میرا تم پہ ہاتھ اٹھ جائے، یہاں سے چلی جاؤ۔" اس کی گرج دار آواز پہ ماہا بھی کانپ کر رہ گئی تھی۔ لڑکی بھی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

"بھائی مما۔"

"میں نے تم سے کہا ہے، یہاں سے چلی جاؤ۔" لڑکی اس کے غصے کو خاطر میں ہی نہ لا رہی تھی۔

"آپ میری بات کیوں نہیں سن رہے۔" وہ رونے لگی تو مصطفیٰ کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں پھوٹ پڑیں۔

"مما کو کینسر ہے وہ ہسپتال میں ہیں اور آخری سانسوں میں آپ کو پکار رہی ہیں پلیز بھائی....!" وہ بات مکمل نہیں کر پائی تھی کہ وہ اسے کلائی سے پکڑ کر باہر کھینچتا لے گیا۔

"میری بات تو سنیں مصطفیٰ مما آپ کو مصطفیٰ پلیز۔" وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ وہ بڑی بے دردی

سے اسے کھینچتا چلا گیا۔

واپس آیا تو غصے سے ماتھے کی تمام رگیں تنی ہوئی تھیں۔ ماہا الجھی الجھی کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کو ایک نظر دیکھتا بنا کچھ کہے تیز تیز اپنے کمرے میں چلا گیا اور جب تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں آئی تو اسے بستر میں پڑا دیکھ کر وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس نے اس سے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔ اس نے بھی شاید اسے کچھ بتانا ضروری نہ سمجھا بس چپ چاپ بستر پہ پڑا رہا۔ وہ اس سے پوچھے بغیر قریبی کلینک سے ڈاکٹر زیدی کو بلا لائی تھی، لیکن بعد میں اس کی ملامتی نظروں کو سہنا بھی پڑا۔

ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق وہ اس کے لیے سوپ تیار کرنے لگی اور جب باؤل میں نکال کر کمرے میں آئی تو وہ موبائل کان سے لگائے بہت دھیمی آواز میں کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"جی پاپا وہ آگئی ہے آپ کر لیں بات۔" وہ جان گئی تھی کہ مرتضیٰ صاحب کا فون ہے اسی لیے اس نے جھٹ ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ ابھی انہوں نے ہیلو ہی کہا تھا کہ اس نے مصطفیٰ کی شکایتیں لگانا شروع کر دیں۔ جواباً انہوں نے بہت فکر مندی سے اسے اس کا خیال رکھنے کی تلقین کی تھی اور پھر مصطفیٰ کو جی بھر کر ڈانٹ پلائی وہ صرف اثبات میں سر ہی ہلاتا رہ گیا۔

"مجھ سے اس قدر برگشتہ ہو.....؟" موبائل آف کر کے میز پہ رکھتے ہوئے وہ اس کی طرف دیکھنے لگا تو اس نے بے اختیار گردن ہلا دی۔

"تو تم بھی چھوڑ جاؤ مجھے، کیوں یہاں میرے پاس بیٹھی ہو، چلی جاؤ یہاں سے۔" وہ بھڑکا وہ منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھنے لگی اور پھر بولی تو بہت دھیمی آواز میں۔

"چھوڑنا ہوتا تو پہلے روز ہی چھوڑ جاتی۔" اس کا اتنا کہنا تھا اس کے اعصاب جھنجھنا اٹھے۔

"تو کیوں نہیں چھوڑا! تم بھی چھوڑ جاتیں میں نے تمہیں اپنے ساتھ باندھ تو نہیں رکھا تھا۔" غصے سے کہتے ہوئے کمبل دور اچھال کر وہ اٹھنے لگا تو اس نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھنے نہ دیا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو، کیوں اس قدر ناراض ہو رہے ہیں۔"

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔" زور سے بازو جھٹکا، لیکن اس نے بازو نہ چھوڑا۔

"کچھ نہیں ہوا تو پھر لیٹیں یہاں، آرام سے۔"

"مجھے نہیں آرام کرنا، چھوڑو مجھے۔" وہ نروٹھے پن سے بولا۔

"آپ بھی نہ بس....." اس نے اسے لیٹنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لب بھینچ کر اپنی پیشانی مسلنے لگا تو وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر اپنے ہاتھ سے اس کی پیشانی مسلنے لگی۔ اس نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا لیکن وہ برا مانے بغیر اسے غور سے دیکھنے لگی۔

"کیا پریشانی ہے؟ کس بات کی ٹینشن لے رہے ہیں؟"

"کس بات کی ٹینشن لوں گا؟" الٹا وہ اس سے پوچھنے لگا۔

"اپنی مما کی جو ہسپتال میں ہیں۔" بے اختیار اس کے لبوں سے پھسلا تو وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میری کوئی ماں ہے؟" لہجہ نہیں انداز بھی بہت سفاک تھا۔

"ظاہر ہے آج ہی پتا چلا ہے، آپ یا اماں تو بتانے سے رہے۔" آپ ہی آپ اس کی زبان سے شکوہ نکلا۔

"میں قطعی نہیں جانتی تھی کہ آپ کی ماں زندہ ہیں یا آپ کی بہن....." اور اس سے آگے وہ بول نہ سکی کیونکہ اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا تھا۔ وہ چپ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے اک پل کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس پل اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔ کوئی گہرا دکھ، کوئی گہرا زخم وہ کس اذیت میں مبتلا تھا وہ نہیں جانتی

UrduPhoto.com
Onedirdu.com

تھی لیکن اس وقت وہ اذیت اس کے اندر اتر گئی تھی۔
"جانتی ہو ہم کتنے بہن بھائی ہیں؟" اس کی آواز بہت دھیمی تھی لیکن اسے سنائی دے گئی۔
"صرف تین بھائی ہیں' اماں نے ہی بتایا تھا۔" وہ بھی آہستہ سے بولی تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔
"اور بہنیں.....؟"
"اماں نے کہا تھا نہیں ہیں۔"
"اور بابا نے نہیں بتایا؟"
"انہوں نے ضروری نہیں سمجھا جو مجھے بتاتے کہ جس سے میری شادی ہو رہی ہے اس کا کوئی والی وارث ہے بھی یا نہیں۔ انہوں نے تو اپنے کندھوں سے صرف بوجھ اتارنا تھا سو اتار دیا۔ یہ بھی مجھ پہ بہت بڑا احسان کیا کہ بتا دیا کہ میری کس دن شادی ہے۔" بہت تلخی سے وہ بولی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"بہت تلخی ہے تمہارے اندر بھی بالکل میری طرح۔" وہ کچھ کہے بغیر سر جھکا گئی۔ تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ تھوڑی خاموشی کے بعد وہ پھر بولا۔
"خیر میں نے ہی خالہ اماں کو منع کیا تھا کہ وہ میری سسٹرز کے بارے میں۔"
"آپ نے جھوٹ بولنا چاہا تھا۔"
"جھوٹ بولنا نہیں چھپانا چاہا تھا۔ لیکن پھر میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ تمہیں سب کچھ بتا دیں' لیکن شاید انہوں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔ چلو یہ سب کچھ میں کسی اور روز بتاؤں گا فی الحال تو صرف اتنا کہ ہم چھ بہن بھائی ہیں۔ تین بھائی اور تین ہی بہنیں۔"
"تین بہنیں.....؟" اس کی حیرت سے آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ وہ گردن ہلاتے اسے دیکھنے لگا۔
"وہ' وہ کدھر ہیں سب؟" آواز تحیر سے پر تھی۔
"دو بھاگ گئیں [illegible] کی آواز کسی گہری کھائی سے آئی تھی۔ اس نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ اس کے کندھے پہ سر رکھ کر آنکھیں موند گیا۔ اس کی پشت پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی آنکھیں سوالیہ تھیں' جب کہ لبوں پہ قفل تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ناشتا تیار کر رہی تھی' وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ تیار ہو کر باہر نکلا تو اسے ٹیبل پر محو انتظار پایا۔ وہ مسکراتا ہوا کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔
"تمہاری پیشانی پہ یہ ناگواری کی لکیریں کیسی ہیں؟" وہ جان کر انجان بنا تو وہ خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔
"آپ کی طبیعت ابھی بھی ٹھیک نہیں ہے اور آپ آفس جا رہے ہیں۔"
"کم آن ماہا ذرا سی طبیعت ہی تو خراب تھی۔ اب تو کافی بہتر لگ رہا ہوں۔ کیا تمہیں نہیں لگ رہا۔" اس نے اپنے آپ کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کی کوشش کی تو وہ چپ سی ہو گئی۔
"جب تم میرا خیال کرتی ہو نا تو یقین مانو بہت سویٹ لگتی ہو اور دل کے بہت قریب بھی۔" اس کی آواز بہت دھیمی تھی اور کوشش کے باوجود وہ اس کے آخری الفاظ سن نہیں پائی تھی پھر بھی مسکرا دی۔ اس نے اک لمحے کے لیے اسے دیکھا اور پھر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا جب کہ وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کیا ہوا؟" اس نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر اس کی نظروں کی پیروی کی۔ ماہا نے نظریں گھما کر اسے دیکھا اور پھر دروازے میں ایستادہ وجود کو۔
"یہ نور ہے۔" ماہا نے اسے کہتے سنا اور گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔
"سب سے چھوٹی۔" اس نے کچھ نہیں پوچھا تو وہ خود ہی بتاتا اٹھ کھڑا ہوا۔
"جی آپ کو کوئی کام تھا۔" وہ چلتا ہوا لڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا تو لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔
"میں نے آپ سے کام پوچھا ہے۔" اس کا لہجہ بہت دھیما سہی لیکن سخت ضرور تھا۔
"بھائی....."
"شٹ اپ اپنی گندی زبان سے میرا نام یا میرا رشتہ مت لینا۔" اس نے دھاڑ کر لڑکی کو بات بھی کرنے نہ دی تھی۔
"جس راستے سے آئی ہو اسی راستے سے واپس چلی جاؤ۔" انگلی اٹھا کر اسے واپسی کی راہ دکھائی تو لڑکی روتے ہوئے اس کے پیروں میں بیٹھ گئی لیکن وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹا تھا۔
"میں نہیں چاہتا کہ میں تم پہ ہاتھ اٹھاؤں بہتر ہے کوئی اور لفظ کہے بغیر اٹھو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" اس نے اسے کلائی سے پکڑ کر اٹھایا تو لڑکی اس کے سامنے ہاتھ باندھنے لگی۔
"ایک بار صرف ایک بار معاف کر دیں بھائی۔ اس کے بعد آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ صرف ایک بار معاف کر دیں۔"
"کسے؟ تمہیں یا....." لہجہ درشتی سے پر تھا۔
"سب کو..... صرف ایک بار بھائی' مما آپ کے لیے تڑپ رہی ہیں پلیز آپ' آپ مما کو....."
"نور میں نے اتنی دیر تمہیں صرف اس لیے برداشت کیا ہے کہ کبھی مجھے اپنی چھوٹی بہن سے بہت محبت تھی لیکن اب' اب نہیں تمہارے منہ سے بھائی سننا مجھے بہت تکلیف دے رہا ہے۔ جاؤ یہاں سے' میں مزید تمہیں یہاں برداشت نہیں کر سکتا اور نہ ہی کرنا چاہتا ہوں' آئی سے گیٹ آؤٹ۔" اس کے لہجے سے عیاں تھا کہ وہ بہت برداشت سے کام لے رہا تھا۔ لڑکی بلک رہی تھی اور ماہا سے اس کا رونا برداشت نہ ہوا۔
"مصطفیٰ پلیز۔" وہ آگے بڑھی تھی اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا۔
"آپ اس کی بات تو سن لیں۔"
"تم خاموش رہو' یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔" اس نے سختی سے اسے ٹوکا لیکن وہ پھر بھی باز نہ آئی۔
"آپ اس کی بات....."
"میں نے بولا ہے' تم خاموش رہو۔"
"سن تو لیں وہ کہنا کیا چاہ رہی....."
"چٹاخ!" اس نے مڑ کے اس کے گال پہ تھپڑ جڑ دیا تو لڑکی خود بخود دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ وہ گال پہ ہاتھ رکھے وہیں ساکت ہو گئی۔
"تمہیں میرا ایک بار کا کہا سمجھ نہیں آتا۔ میں نے کہہ جو دیا ہے۔ خاموش ہو جاؤ' یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے پھر بھی تمہیں سنائی نہیں دیتا۔" غصے سے کہتا وہ لڑکی کو دیکھنے لگا جو اسی طرح سہمی سہمی پیچھے ہٹ رہی تھی۔
"کس رشتے سے یہاں آئی ہو؟ کس حیثیت سے یہاں قدم رکھا ہے؟ کیا لگتا ہوں میں تمہارا یا تمہاری ماں کا جو ادھر سب دوڑے چلی آتی ہو' جانتی ہو نا میں تم سب کے لیے مر چکا ہوں پھر تم یہاں کیوں آئی ہو۔" وہ خطرناک ارادے سے لڑکی کی طرف بڑھا تو وہ چیخیں مارتی پیچھے ہٹتی چلی گئی۔
"میں' میں چلی جاتی ہوں' آپ پلیز وہیں رکیں پلیز بھائی میں جاتی ہوں۔" وہ روتے ہوئے پیچھے پلٹی اور دوڑتے ہوئے گیٹ پار کر گئی۔ وہ وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ بریف کیس اٹھانے اندر آیا تو وہ اسے کہیں نظر نہ آئی۔ بریف کیس اٹھا کر جب وہ باہر نکل رہا تھا صرف ایک پل کے لیے دروازے میں قدم رکے تھے اور پھر وہ سر جھٹکتا وہاں سے نکل آیا۔ اس کی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز نے اندر بیٹھی ماہا کے اندر دور تک خاموشی پھیلا دی۔ پھر وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔
اس وقت اسے اپنا آپ بہت بے مایہ لگ رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ اپنے ساتھ سب سے ناراض ہو چکی تھی۔
شام کو جب وہ واپس لوٹا تو تب بھی وہ اسے کہیں نظر نہ آئی۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہوئے وہ اس کی غیر موجودگی پہ ٹھٹکا پھر ذرا کی ذرا کچن میں جھانکا تو بے اختیار گہرا سانس لے کر رہ گیا کیونکہ وہ اس وقت کچن میں ہوتی تھی لیکن آج وہ کچن میں نہ تھی۔
سست قدموں سے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولا تو اندھیرے میں اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ لائٹس آف تھیں۔ کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے' جن کی وجہ سے پورا کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

UrduPhoto.com
Posted by Onedrdu.com

اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کر دی۔ اسے وہ بیڈ پہ آڑی ترچھی لیٹی نظر آئی۔ اسے دیکھ کر وہ سیدھی ہو گئی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" وہ فکر مندی سے اس کی جانب بڑھا اور اپنا چوڑا ہاتھ اس کی پیشانی پہ رکھ دیا۔ وہ کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی۔

"ماہا آر یو آل رائیٹ؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا اور بیڈ سے اتر کر پیروں میں چپل پھنساتی باہر نکل گئی۔

"کیا آج چائے نہیں ملے گی؟" وہ شاور لینے کے بعد نکھرا نکھرا سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ آف وائٹ شلوار سوٹ میں وہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔

"چائے نہیں ملی پھر تو کھانا بھی نہیں ملے گا ہے نا؟" وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی۔ وہ جھنجلا کر اسے باہر جاتا دیکھتا رہا۔

باہر موسم بہت خوشگوار تھا' ٹھنڈی مست ہوائیں چل رہی تھیں۔ سرسبز لان کے درخت پودے نہیں بلکہ چھوٹی چھوٹی گھاس بھی اپنے جوبن پہ تھی۔ خوب ہل ہل کر ماحول کو پر سحر بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ سبز گھاس پہ گھٹنوں پہ سر رکھے بیٹھی تھی۔ وہ گرم گرم بھاپ اڑاتی چائے کے دو کپ اٹھائے اس کے پاس آ بیٹھا۔ اس نے گردن گھما کر ایک پل اسے دیکھا اور پھر نیلے آسمان کو۔

"چائے پی لو۔" اس نے فوراً" کپ اس کے سامنے کیا لیکن اس نے کپ لینے کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا تو وہ کپ اس کے سامنے رکھ کر اسے بغور دیکھنے لگا۔

اچانک بادِ صبا کی تیز لہر اس کے سیاہ سلکی بالوں کو چھیڑ گئی۔ مصطفیٰ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بالوں نے اس کے چہرے کو بھی چھو لیا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ وہ وہیں سرسبز گھاس پہ ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

"کاش میں شاعر ہوتا۔" بہت شدت سے اس خواہش نے اس کے اندر انگڑائی لی تھی جو اس کے لبوں پر بھی آ گئی مگر سننے والی نے بہت بے اعتنائی برتی تھی اس کی اس خواہش پہ۔ بہت آہستگی سے اس کے نرم و ملائم بالوں پہ ہاتھ رکھا لیکن وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔ وہ کچھ بول نہ سکا صرف اپنے ہاتھ کو دیکھا اور لب بھینچ لیے۔ کچھ دیر اسی طرح لیٹا رہا اور نیلے آسمان کو دیکھتا رہا۔ وہ بھی ذرا فاصلے پہ بیٹھی نجانے کیا سوچے جا رہی تھی دونوں کے درمیان خاموشی آن ٹھہری۔ ہوا کے تیز جھونکے نے دونوں کو چونکا دیا۔

"جانتی ہو جہاں آج اتنی خاموشی ہے پہلے پہل یہاں بہت شور ہوتا تھا کوئی خاموشی کو جانتا تک نہیں تھا۔ ہر وقت ہر سمے یہاں وہاں سے آوازیں آتی رہتی تھیں' ہنسنے کی آوازیں' رونے کی آوازیں لڑنے کی آوازیں ایک دوسرے کو صلواتیں سنانے کی آوازیں لیکن آج' آج ان در و دیوار کو پتا بھی نہیں کہ ہنسنا کس کو کہتے ہیں' بولنا کس کو کہتے ہیں۔" عجب دکھ تھا اس کی آواز میں اندر کو چیر دینے والا دکھ۔

"سب مدفون ہو گئیں آوازیں' ہنسی' مسکراہٹ کہیں دفن ہو گئیں' اب نہ کوئی ہنسی ہے' نہ کوئی مسکراہٹ' نہ کوئی آواز' نہ کوئی کھلکھلاہٹ' سب چپ چاپ مر گئیں۔" اچانک ہی پتا نہیں کس طرح ..... لہجہ گلوگیر سا ہوا تو آواز میں نمی واضح ہو گئی لیکن اس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔

"زندگی آسان نہیں ہوتی' یہ آسان ہو بھی نہیں سکتی بہت زہریلی ہے یہ زندگی اندر تک کو زہریلا کر دیتی ہے۔ یہاں جینا بہت مشکل ہے۔ نجانے ہم کس طرح جی رہے ہیں' نجانے ہم ....." اچانک زبان کو دانتوں تلے دبا کر وہ اسے دیکھنے لگا۔ وہ اسی طرح سپاٹ چہرہ لیے سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ سا ہو گیا۔

"چائے پی لو ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"مجھے نہیں پینی۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور اندر چلی گئی۔ اس کے سینے میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی تھی جو بعد میں پورے وجود پہ پھیل گئی۔ وہ کراہ کر رہ گیا۔

"گندے خون کا دھبا گندہ ہی ہوتا ہے۔"

"دکھا دی نا گندے خون کی اصلیت۔"

"گھر کی عزت کا ہی خیال کر لیتے' اپنا آپ گھر کی عزت پر ہی دکھانا تھا۔"

"توقع تو نہیں تھی لیکن یہ سچ ہے رگوں میں دوڑتا خون اپنا آپ ضرور دکھاتا ہے۔"

"جی چاہتا ہے تمہارے اندر کے ناپاک خون کو ابھی چاروں طرف پھیلا دوں۔"

اس کے چاروں طرف مختلف آوازیں ابھری تھیں۔ زور کی بہت زور کی کانوں کو چیر دینے والی آوازیں۔ گرم سیسہ سے بھی زیادہ گرم آوازیں۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھا اس پل اس کے چہرے کا رنگ خون سے بھی زیادہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں کی رنگت ایسی تھی کہ آنکھوں میں جیسے زخم اتر آئے ہوں۔

☼ ☼ ☼

بھولنے کی بات کرتی ہو
سوچو
اگر بھول گیا میں
تو کون یاد کرے گا تمہیں

"بند کرو بکواس اپنی۔" ارسل کی آواز اسے برچھی کی طرح چبھی تھی۔

"یہ بکواس نہیں ہے ماہ یہ بکواس نہیں ہے۔ آخر تم کیوں نہیں سمجھتیں۔" ارسل کی بے قراری حد سے سوا تھی۔

"پلیز ارسل میری نظروں میں اتنے مت گرو۔ مت کرو اس طرح۔"

"کیوں باز آ جاؤں' تم نے کی ہے مجھ سے شادی دیا ہے جواب میری محبت کا قدم قدم پہ ٹھکرایا ہے تم نے مجھے ہمیشہ تمسخر اڑایا ہے میری محبت کا تو کیا چاہتی ہو اب تمہاری آواز بھی نہ سنوں' تمہیں کبھی دیکھوں بھی نا۔" وہ چیخ کر بولا تو اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہوئیں۔

"پلیز مجھے تنگ مت کرو۔"

"نہیں کرتا تمہیں تنگ سیدھی طرح مل لو مجھ سے۔" اب کی بار اس کا لہجہ بہت تیکھا اور ترش تھا۔ وہ بھی چیخ کر رہ گئی۔ "بکواس کرتے ہو جانتے بھی ہو میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"رشتہ تو میں خود بنا لوں گا فی الحال مجھے وقت اور جگہ بتا دو' کہاں اور کب ملو گی مجھ سے' بعد کی باتیں بعد میں ہوں گی۔" عجب ضدی بندہ تھا وہ کرتی بھی تو کیا کرتی' ماسوائے رونے کے۔

"ارسل ....." وہ رو پڑی تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"ماہا طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" مصطفیٰ دیکھتے ہی ٹھٹک گیا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلاتی وہاں سے ہٹنے لگی تو اس نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"روئی کیوں ہو؟" اندر تک کو پڑھ لینے والی نظروں کے عتاب میں آئی تھی وہ۔ پھر سے نفی میں سر ہلا دیتی جو اگر وہ اسے گھور نہ رہا ہوتا۔

"تمہاری آنکھیں جھوٹ نہیں بول رہیں۔ بولو کیا ہوا ہے کیوں روئی ہو؟"

"کچھ نہیں' بس آنکھ میں کچھ پڑ گیا تھا۔"

"جانتی ہو مجھے جھوٹ سے کتنی نفرت ہے۔" اس کی کلائی پہ ہلکا سا دباؤ ڈال کر اس نے کہا تھا۔

"پھر بھی مجھ سے جھوٹ بولتی ہو۔" وہ سختی سے بولا تو وہ اپنی کلائی اس کے ہاتھ سے چھڑا کر اسے ایک نظر دیکھتی باہر نکل گئی۔ اس کے بعد نہ مصطفیٰ نے اسے بلایا تھا اور نہ اس نے اس سے کوئی بات کی۔ دونوں کے درمیان پہلے بھی کوئی اتنی لمبی چوڑی بات نہ ہوتی تھی' لیکن اب تو دو دن تک دونوں نے ہوں' ہاں میں بھی بات نہ کی تھی۔ ناشتا بے شک ایک ساتھ کرتے لیکن اپنی اپنی ذات میں بالکل گم ہو کر رات کا کھانا بھی ایک ساتھ کھاتے وہ بھی چپ چاپ۔ ان دو دنوں میں جیسے وہ دونوں بالکل ہی انجان بن چکے تھے۔ کمرے میں ہوتے تو ایک دوسرے سے اتنے انجان بنے ہوتے کہ لگتا دونوں کمرے میں موجود ہی نہ ہوں۔ ایک ساتھ سوتے لیکن ایک دوسرے کی پروا کیے بغیر۔

اور وہ اس کے اس رویے پہ تڑپ جاتی۔ اگر راضی نہیں کر سکتا تھا کم از کم منانے کی ایک آدھ کوشش ہی

Posted by Urdu Phone
UrduPhone.com

کرلیتا۔ لیکن وہ اس سے یکسر لاپروا ہو گیا تھا اسے تھپڑ مار کر بھول بھی چکا تھا کہ اس نے اسے مارا تھا لیکن وہ جس نے تھپڑ کھایا تھا وہ تو وہ تھپڑ نہیں بھول سکتی تھی۔

اب کی بار اس نے پکا عہد کر لیا تھا اپنے ساتھ کہ وہ تب تک اس سے بات نہ کرے گی جب تک وہ اسے خود منا نہ لے۔

"کیسے شخص ہو تم مصطفیٰ، نہ اپنے درد کی پروا کرتے ہو اور نہ کسی کے درد کو درد سمجھتے ہو، اتنے بے حس کیوں ہو تم مصطفیٰ۔" کچھ دیر پہلے ہی وہ آفس سے لوٹا تھا۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی لیکن وہ اسے دیکھے بنا کمرے میں چلا گیا تھا اور اب وہ بظاہر ٹی وی پہ نظریں جمائے ہوئے تھی لیکن اپنے سینے سے اٹھتی ٹیسوں کو دبا نہ پا رہی تھی۔

"ماہا! وہ یونہی بیٹھی ہوئی تھی جب اس کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور اب اسے دیکھ رہا تھا دونوں کی نظریں پل کی پل ملیں تو وہ مسکرا دیا۔ وہ اس کی طرف سے چہرہ پھیر گئی۔

"تمہارے اماں بابا تم سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا لیکن اس نے پکڑا نہیں۔ وہ خاموشی سے کچھ پل اسے دیکھتا رہا اور پھر ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ لیا۔ وہ نچلے ہونٹ کا بایاں کونا دانتوں تلے دبائے نظریں جھکا گئی۔

"انکل، آنٹی تم سے بات کرنا چاہ رہے ہیں، پلیز ان سے بات کرلو۔"

"مجھے ان سے کوئی بات نہیں کرنی۔"

"کیوں؟"

"بس..... وہ میرے کچھ نہیں لگتے۔"

"ابھی تک ناراض ہو ان سے؟" "نہیں کسی سے ناراض نہیں۔"

"کسی سے بھی؟" اس نے "بھی" پر خاصا زور دیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

"سعد بہت بے چین ہو رہا تھا تم سے بات کرنے کے لیے اس سے تو کرلو۔" ابھی اس نے سعد کا نام لیا ہی تھا کہ اس نے تڑپ کر موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی گھر میں صرف ایک بار ہی فون کیا تھا، صرف سعد کی آواز سننے کے لیے اماں بابا فون کرتے رہتے تھے لیکن اس نے آج تک ان سے بات نہیں کی تھی۔ صرف سعد سے بات کرتی اور کھٹاک سے فون بند کر دیتی۔ مصطفیٰ اس کی بے اعتنائی کو سمجھتا تھا لیکن اس نے کبھی اسے سمجھانے کی کوشش نہ کی تھی۔ آج بھی جب ادھر سے کال آئی تو وہ جانتا تھا وہ بات قطعی نہیں کرے گی لیکن پھر بھی اس نے اسے بات کرنے کو کہا تھا اور اس کا جواب حسب توقع نہیں تھا۔ اور اب وہ مصطفیٰ کو نظر انداز کیے سعد سے باتوں میں محو ہو چکی تھی لیکن وہ جانتا تھا ادھر سے جیسے ہی کسی اور کی آواز ابھرے گی ادھر وہ موبائل اسے پکڑا دے گی پھر ہوا بھی ایسے۔ اس نے موبائل اسے پکڑا دیا اور دوسری طرف واقعی اماں ہی تھیں۔ وہ بے اختیار گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تو وہ ہمیشہ کی طرح اماں سے معذرت کرنے لگا۔

"ماہا سمندر پہ چلیں۔" وہ رات کا کھانا تیار کرنے کے لیے فریج سے گوشت کا پیکٹ نکال رہی تھی جب پیچھے سے وہ بولا تھا۔ اک پل کے لیے اس کے ہاتھ تھمے لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ پل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ گوشت کا پیکٹ سنک میں رکھ کر نل کھولنے لگی تو بے اختیار اس نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"کھانا بھی باہر کھائیں گے۔" اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ بولا تو ـــــ اس نے سر جھٹک دیا۔

"چلو نا ماہا آج میرا بہت جی چاہ رہا ہے سمندر دیکھنے کو، چلو چلتے ہیں ابھی۔"

"لیکن میرا جی نہیں چاہ رہا۔" وہ سرد مہری سے جواب دیتی اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑانے لگی۔

"جب سمندر پہ پہنچو گی تو جی خود بخود خوش گوار ہو

UrduPhoto.com

جائے گا بس تم چلو۔" وہ اپنے ہونٹوں پہ دھیمی سی مسکان سجا کر پرشوق نظر سے اسے دیکھنے لگا۔

"پلیز، میں نے نہیں جانا تو نہیں جانا، بحث کا فائدہ" اک دم سے وہ چیخ کر بولی تو اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اسے دیکھنے لگا۔ وہ تپے چہرے کے ساتھ واپس پلٹ کر فریج سے کوئی اور چیز نکالنے لگی تھی۔

"اس وقت میرے اندر بہت گھٹن ہو رہی ہے ماہا اسی لیے میں سمندر پہ جانا چاہ رہا ہوں۔" جانے کیوں اس کے اندر سے الفاظ ٹوٹے بکھرے نکلے تھے۔

"تو چلے جائیں نا کون روک رہا ہے آپ کو۔" وہی کھٹور لہجہ جو شادی سے پہلے مصطفیٰ سے بات کرتے ہوئے در آتا تھا۔ مصطفیٰ اسے صرف دیکھ کر رہ گیا۔

کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد وہ باہر جانے لگا تھا کہ دروازے سے اک دم پیچھے پلٹا اور اسے کلائی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

وہ بوکھلا کر اسے دیکھنے لگی لیکن وہ اس کے دیکھنے کی پروا کیے بغیر اسے کھینچتا ہوا باہر لایا اور گاڑی کے اندر دھکیل دیا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

سرمئی شام کے آنچل میں
کتنے دکھ سمٹے ہیں
کہ سختی سے گرہ لگا کر
اب تو ہم انہیں بھولنے بھی لگے ہیں
مگر دکھ تو دکھ ہوتے ہیں
بھلانے سے بھولتے ہیں بھلا
گرہ پہ گرہ لگا دو چاہے
دکھ، دکھ ہی رہتے ہیں
اسی طرح نیر بہتے ہیں
نظر چاہے نہ آئیں
اندر ہی اندر گرتے ہیں

اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اس کی طرف نگاہ کی تو وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے، لب سختی سے بھینچے، سامنے کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے وہ کسی اور ہی جہاں میں پہنچا ہوا تھا۔

ہوا میں تیزی تھی سورج بہت آہستگی سے ڈوب رہا تھا۔

"ماہا جب کبھی مجھے سکون چاہیے ہوتا ہے نا تو میں ادھر آنکلتا ہوں۔ پتا نہیں کیوں لیکن مجھے سکون ادھر ہی ملتا ہے۔" اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ وہ بمشکل سن پائی، لیکن اس نے گردن موڑ کر نہ اسے دیکھا اور نہ کچھ بولی۔

"میرے گھر میں کبھی سکون نہیں ہوتا تھا، اسی لیے مجھے سکون کی تلاش تھی اور میں سکون کی تلاش میں یہاں آجاتا تھا۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے وہیں کھڑا ہو گیا۔ ماہا کو اپنے پیر سن ہوتے محسوس ہوئے۔

"جس طرح تمہاری اماں سوتیلی ہیں نا اسی طرح میری مما بھی سوتیلی ہیں۔"

"سوتیلی.....!" اس پہ جیسے انکشاف ہوا تھا۔ وہ سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہی روایتی سوتیلی ماں جو اپنی سوکن کو برداشت نہیں کر سکتی اس کی اولاد سے نفرت کرتی ہے پل پل سوتیلے بچوں کو مارنا، گالیاں دینا طعنے تشنے دینا یہ تو سوتیلی ماؤں کا معمول ہوتا ہے اور میری سوتیلی ماں میں بھی کچھ ایسی ہی خوبیاں تھیں۔"

"سوتیلی ماں، ہونہہ....." وہ اپنی اماں (سوتیلی ماں) کو یاد کر کے سر جھٹک گئی، کیونکہ اس پل اسے مصطفیٰ کی سوتیلی ماں سے اپنی اماں زیادہ سوتیلی لگی تھیں۔

"میں نے کبھی اپنی ماں میں اور بیگم ستارہ میں کوئی فرق نہیں رکھا تھا، چاہے وہ جیسا رویہ بھی رکھتیں ہمیشہ انہیں ماں سمجھا لیکن وہ اور ان کی اولاد نے کبھی مجھے اپنا نہ سمجھا اور بابا بھی کبھی نہ میری فیور کر سکے اور نہ میری ماں کی۔ شاید یہ ان کی ظاہری کمزوری تھی یا پھر وہ سچائی کے آگے ہار جاتے تھے۔ سچائی بھی تو بہت کڑوی تھی، بھلا وہ کیا کر لیتے۔" اس پل بہت طنزیہ مسکراہٹ اس

کے لبوں پہ پھیلی ہوئی تھی۔

"ماہا! اس سمندر اور اس ساحل سے میرا بہت پرانا رشتہ ہے لیکن یہ تم نہیں جانتیں کیوں؟ اس کا جواب میں تمہیں دینا چاہوں گا اگر تم پوچھو تو.....؟" اس کی چہرے پہ ابھی نہیں کا سگنل دیکھ کر اسے خاموش ہونا پڑا۔

"ماہا مجھے ناراض لوگوں کو منانا نہیں آتا۔" شاید اس نے اس کے دل کی آواز پڑھ لی تھی۔ تب ہی اسے پہلے ہی انفارم کر دیا۔

"جو مجھ سے روٹھ گیا میں نے کبھی اسے منایا نہیں اور جس سے میں روٹھ گیا اس سے کبھی مانا نہیں۔" اس کی اتنی شدت پسندی پہ اس کا دل سکڑ کر رہ گیا۔

اس کی اس خودسری پہ وہ کھول کر رہ گئی۔ زندگی گزارنے کا کچھ تو ڈھب آنا چاہیے بے شک انسان جیسا بھی ہو لیکن زندگی بسر کرنے کا کچھ تو سلیقہ اسے آنا ہی چاہیے۔

وہ بنا کچھ کہے ایک اونچے ٹیلے پہ بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے اس کے پاس بیٹھ گیا پھر آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنی ہتھیلی پہ رکھ لیا۔

"کتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں میرے ساتھ رہتے ہوئے؟" اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پھر خود ہی بول پڑا۔

"اب تک تو تمہیں اتنا احساس ہو جانا چاہیے تمہارے معاملے میں بہت رعایت کرتا ہوں۔ حالانکہ میں ایسا نہیں ہوں لیکن تم نے ایسا بنا دیا ہے۔" پہلے وہ مصطفیٰ کی خاموشی کو برا بھلا کہتی تھی، لیکن اب پتا نہیں اتنا چپ رہنا اس نے کہاں سے سیکھ لیا۔ اس پل اسے مصطفیٰ کی ہر بات زہر لگ رہی تھی۔

اس کا جی چاہ رہا تھا اس سے ہاتھ چھڑا کہیں دور بھاگ جائے، جہاں نہ مصطفیٰ ہو اور نہ کوئی اور اسے اس پل اس برف کے تودے سے کوئی اپنائیت محسوس نہ ہو رہی تھی وہ جیسا بھی تھا بات کرتے ہوئے اپنے لفظوں پر غور نہیں کرتا تھا اور وہ اس کی زبان سے ادا ہوئے ہر لفظ پہ اندر تک لہولہان ہو جاتی تھی۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے خفا ہو اور ناراض بھی ہو لیکن ماہا تم جانتی ہو نا میں نے کبھی کسی کو منایا نہیں تو پھر تمہیں کیسے مناؤں؟ بس یہ کہوں گا پلیز مجھ سے کبھی ناراض نہ ہوا کرو۔" اس نے بہت نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا تو وہ کرب سے آنکھیں موند گئی۔

"مصطفیٰ! مرد کو کم از کم محبت تو کرنا آنی چاہیے۔" اس نے دکھ سے سوچا اور شدت کرب سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں سے دبا لیا۔ وہ کچھ پل اسے دیکھتا رہا، پھر رخ موڑ کر سامنے سورج کو دیکھنے لگا۔ کتنے پل بیت گئے اسی خاموشی میں۔

وہ انجان بنی اس کی طرف سے رخ پھیرے آنکھیں موندے بیٹھی تھی جب آنکھیں کھول کر سامنے دیکھنے لگی تو یکدم اس کا رنگ اڑ گیا۔ دل اچھل کر جیسے حلق میں آگیا اس نے بے یقینی سے آنکھیں پٹپٹائیں اور خوف سے سکڑتے دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔ وہ اسی طرف آرہا تھا۔

"مصطفیٰ۔" وہ حلق کے بل چلائی اور مصطفیٰ کو کندھے سے پکڑ کر کھینچا اور اسے اپنے ساتھ لیے کھینچتی چلی گئی۔ وہ بھی حیران پریشان اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھتا اس کے ساتھ کھنچتا چلا گیا۔

"کیا ہے؟ کیا ہوا.....؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا، لیکن وہ بوکھلائی بوکھلائی سی گاڑی تک آئی اور فوراً گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

"اگر ناراض ہو جاتی ہوں تو آپ مناتے کیوں نہیں۔" اس کے اس نامعقول بہانے کو وہ سمجھ نہ سکا اور لبوں پہ بہت انوکھی مسکراہٹ سجا کر اپنے سینے سے لگے اس کے سر کو دیکھتا رہا۔

"اب کبھی بھی تمہیں روٹھنے نہ دوں گا۔" چمکتی آنکھوں نے بھی جیسے تصدیق کر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

شام کو وہ جب گھر واپس آیا تو عجب ٹوٹا بکھرا حلیہ تھا اس کا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کیے، بائیں کندھے پہ کوٹ

Posted by Meena
Original UrduPhoto.com

لٹکائے الجھے بکھرے بالوں اور سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔

"آپ، آپ ٹھیک تو ہیں؟" نہا کر وہ فریش ہو چکی تھی۔ گیلے بال پشت پہ بکھرے پڑے تھے۔ پل کی پل اس نے اس کی سمت دیکھا اور پھر اس کی سیاہ سلکی بالوں کو۔ نجانے من میں کیا آیا کہ اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے سلکی نرم بال اپنی مٹھی میں لے لیے۔ وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

وہ کچھ دیر اس کے بال اپنی مٹھی میں لے کر کھڑا رہا پھر جھٹکے سے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ حیران پریشان سی اس کے پیچھے ہولی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ماہا میں اسٹڈی میں ہوں۔ آج مجھے تنگ مت کرنا۔" نجانے اس کی آواز اجنبی تھی یا اس کا لہجہ وہ ٹھٹک گئی۔

"مصطفیٰ آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"میں نے کہا ہے مجھے تنگ مت کرنا۔" وہ چہرہ پیچھے کر کے درشتی سے بولا تو وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔

"لیکن کھانا؟"

"ماہا!" وہ پیچھے چہرہ کر کے دہاڑا تو وہ سہم کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر وہ اس پہ اک نگاہ ڈال کر تیز تیز ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

"کیا چیز ہو تم مصطفیٰ؟" وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔ رات بارہ بجے تک وہ اس کے کمرے میں آنے کا انتظار کرتی رہی لیکن وہ نہ آیا۔ نہ کھانا کھایا تھا نہ چائے پی تھی اور اب کمرے میں بھی نہ آیا تھا۔ اس نے لاکھ کوشش کی سونے کی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر وہ تھک گئی تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسی پل باہر سے فون کی بیل بجنے کی آواز ابھری۔ کچھ پل وہ یونہی بیٹھی رہی۔ بیل متواتر ہو رہی تھی ناچار اسے اٹھنا ہی پڑا اور اس وقت بھی دوسری جانب ارسل ہی تھا۔

"اب کیا کہنے کو رہ گیا ہے؟" عجب تھکی تھکی سی آواز تھی اس کی۔

"آج تاریخ کیا ہے ماہ؟" وہ چھوٹتے ہی پوچھنے لگا۔

"کیوں؟"

"مصطفیٰ کہاں ہے؟"

"کیوں؟"

"ماہ! جاؤ تم اپنے میاں کے پاس اور دیکھو وہ کس طرح لٹا پڑا بیٹھا ہے، دیکھو جا کر وہ کیوں رو رہا ہے؟ پوچھو جا کر اس سے کیا ہوا ہے اسے؟ جاؤ جا کر اس سے آج کے دن کی اہمیت پوچھو!" اتنا کہہ کر اس نے کھٹ سے فون بند کر دیا۔

وہ بے چین سی اسٹڈی روم کی طرف بڑھی، لیکن دروازہ اندر سے لاک تھا۔ اس نے دروازے پہ ہلکی سی دستک دی لیکن اندر سے اس نے دروازہ نہ کھولا۔

"دیکھو جا کر وہ کیوں رو رہا ہے؟" ارسل کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کی بے چینی حد سے سوا ہو گئی۔

"مصطفیٰ!" اب کی بار اس نے اسے باقاعدہ پکارا تھا۔ اندر سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

"مصطفیٰ دروازہ کھولیں پلیز۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ کھٹکھٹایا، مگر سب بے سود۔

"مجھے اکیلے میں ڈر لگ رہا ہے مصطفیٰ آپ دروازہ کیوں نہیں کھول رہے، پلیز دروازہ کھولیں۔" ارسل نے واقعی اسے اندر تک ہلا کے رکھ دیا تھا۔ نجانے کیا بھید تھا جو ابھی تک اسے معلوم نہ ہو سکا تھا۔ کتنی دیر تک وہ دروازہ کھٹکھٹاتی رہی اور پھر بے بسی سے وہیں دروازے کے ساتھ لگ کے روتی رہی۔ وہ پوری رات اس نے رو رو کر گزاری تھی اور اندر وہ بھی پوری رات سو نہ سکا۔

☼ ☼ ☼

"ماہا تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" صبح جب وہ باہر نکلا تو اسے دروازے میں بیٹھا دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

"آپ رات کو کمرے میں کیوں نہیں آئے؟" وہ اٹھ کر مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"ساری رات آپ یہاں بیٹھ کر کیا کرتے رہے ہیں کیوں نہیں میرے پکارنے پہ دروازہ کھولا۔"

"ماہا تم! رات سے یہاں بیٹھی ہو؟" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"آپ رات بھر کیوں جاگتے رہے آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں؟"

"کم آن ماہا، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" اس نے اس کے گال کو تھپتھپانا چاہا لیکن اس کا ہاتھ گال پر لگنے کی دیر تھی اسے جیسے کرنٹ سا لگا۔ اسے لگا تھا جیسے اس کے گال کو کسی دہکتے کوئلے نے چھو لیا ہو۔

"آپ کی طبیعت..... آپ کو بخار ہے۔ سخت بخار ہے آپ کو۔" ماہا نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے گالوں پہ رکھے۔

"آپ کو سخت بخار ہے مصطفیٰ!" وہ رو دینے کو تھی۔

"آپ رات بھر نہیں سوئے، جاگتے رہے ہیں نا، جب ہی اتنا تیز بخار ہو گیا ہے آپ کو۔"

"کیا ناراض ہو گئے تھے مجھ سے؟" بہت آہستگی سے اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹے اور گالوں پہ بہہ نکلے۔

"ماہا۔"

"بتائیں نا آپ، کیا ہوا تھا آپ کو کیوں آپ نے ایسا کیا؟" اس کے اس پاگل پن پہ وہ لبوں پہ زبان پھیر کر رہ گیا۔

"مصطفیٰ میں نے کیا کیا ہے جو آپ مجھ سے ناراض ہو گئے تھے۔" وہ رو رہی تھی۔

"مجھے اس وقت بہت تھکاوٹ ہو رہی ہے ماہا۔"

"میں آپ کے لیے دودھ اور ٹیبلٹ لاتی ہوں۔"

"رہنے دو، مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ اس کے مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر بیڈ پہ لیٹتے ہی آنکھیں موند گیا۔ وہ اس کے پاس ہی بیٹھی رہی اور اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتی رہی۔ جب وہ سو گیا تو وہ وہاں سے اٹھ آئی۔

وہ سیدھی لاؤنج میں پڑے فون اسٹینڈ کی طرف آئی تھی۔ آج اس نے وہ نمبر ملا دیا جس کو اس نے کبھی نہ ملانے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"ہیلو!"

"اماں میں ماہا!" اس کی بات بھی مکمل نہ ہونے پائی کہ آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں اٹک گیا۔

"ماہا میری بچی، کیسی ہے تو؟ ٹھیک تو ہے نا۔" اماں اس کی آواز سنتے ہی بے تابی سے اس کا حال احوال پوچھنے لگیں۔ ان کی بے چینی میں تڑپ واضح تھی۔

"اماں مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔"

"کون سی بات میری بچی؟"

"اماں....."

"کیا بات ہے، تیری آواز کیوں رندھی ہوئی ہے؟" ان کا پوچھنا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کیوں رو رہی ہے میری بچی، مجھے بات تو بتا، کیا ہوا ہے تجھے؟ کیا مصطفیٰ نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں اماں....." وہ اسی قدر کہہ سکی تھی۔

"بابا کے بارے میں پریشان ہے تو بے فکر رہ وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہیں، سعد بھی ٹھیک ہے۔"

"اماں مجھے کچھ اور کہنا ہے۔"

"کیا کہنا ہے۔"

"اماں آپ سچ سچ بتائیں پچیس ستمبر کو مصطفیٰ کے ساتھ کون سا حادثہ پیش آیا تھا؟" دوسری طرف یکدم خاموشی چھا گئی۔

"اماں! پچیس ستمبر کو مصطفیٰ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ پلیز اماں بتائیں مجھے۔"

دوسری طرف سے شاید فون بند کر دیا گیا تھا یا پھر لائن کٹ گئی۔ وہ سر پہ ہاتھ رکھ کر اپنے آنسو روکتی صوفے پہ آ بیٹھی لیکن ابھی وہ بیٹھی بھی نہ تھی کہ اس کی نظر مصطفیٰ پہ پڑ گئی۔ جو اسٹڈی روم کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ابھی تو آپ سوئے تھے۔" اس نے پیچھے سے اسے پکارا تو وہ چونکا نجانے کیوں اس کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے متغیر ہوا پھر وہ اس کی سمت بڑھ آیا۔

Posted by Oneurdu.com
UrduPhoto.com

"پانی، پانی پینا ہے۔"

"آپ مجھے آواز دے لیتے۔" اس کی گھبراہٹ کو وہ محسوس کر رہی تھی۔

"آپ چلیں اپنے کمرے میں، میں پانی لے کر آتی ہوں۔" اس کے کہنے کی دیر تھی وہ واپس مڑ گیا۔ کمرے میں دیکھا تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔ وہ گھبرایا گھبرایا سا اسٹڈی روم میں دکھائی دیا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اس کے پیچھے تھی۔

وہ متجسس تھی اس لیے کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

وہ بڑی عجلت میں ٹیبل پر سے کچھ چیزیں سمیٹنے لگا۔ اس نے دیکھ لیا شاید وہ کچھ تصویریں تھیں۔ ماہا اس کی پشت پہ تھی اسی لیے اس نے اسے دیکھا تھا۔ جیسے ہی وہ تصویریں اٹھا کر پلٹا اک دم ٹھٹک گیا۔

"مصطفیٰ!" مصطفیٰ کے ہاتھ سے تمام چیزیں نیچے گر گئیں۔ اس کے پیروں کے پاس جو تصویریں گری تھیں انہوں نے اسے جھکنے پہ مجبور کر دیا۔

"یہ۔۔۔ یہ؟" اس کی آواز اندر ہی اندر گھٹ کے رہ گئی۔ وہ جو بھی تھی مصطفیٰ کے بے حد قریب کھڑی تھی۔ مصطفیٰ اک دم سے دیوار کے ساتھ لگ گیا۔

"مصطفیٰ، مصطفیٰ میں پوچھتی ہوں یہ کون ہے؟ کون ہے یہ۔۔۔" وہ ڈوبتی آواز میں چلائی تھی اور اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"کیا بتاؤں؟" اس کی سرگوشی کمرے میں گونجی تھی۔

"یہ ماہین ہے۔ میری پہلی محبت اور میری پہلی بیوی۔"

وہ مرد سچ بولتا تھا۔ ہمیشہ سچ ہی اس نے بولا تھا۔ کبھی لفظوں پہ اس نے غور نہیں کیا تھا۔ کبھی سرد لہجے پہ توجہ نہیں دی تھی۔ چاہے اس سے کتنا ہی بڑا کوئی نقصان ہو جائے وہ سچا اور کھرا انسان تھا اور آج ایک بار پھر اس نے سچ بول دیا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنے پیروں تلے زمین محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اسے سامنے کھڑے شخص کا چہرہ دھندلا ہوتا دکھائی دے رہا تھا اور جان ہاتھوں پیروں سے نکلتی محسوس ہوئی۔ وہ مسلسل نفی میں سر ہلاتی گرتی چلی گئی۔

"مسٹر مصطفیٰ!" ڈاکٹر نے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ کی مسز ہوش میں آ چکی ہیں۔" ڈاکٹر کا اتنا کہنا تھا کہ وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اس کو دیکھ سکتا ہوں؟"

"وائے ناٹ۔"

"ماہا!" وہ بے چینی سے اس کی سمت بڑھا۔ اس نے اس کی آواز سن کے آنکھیں میچ لیں۔

"ماہا میری جان۔" وہ اس پہ جھکا اور بہت بے قراری سے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ وہ کسمسا کر اس سے علیحدہ ہوئی۔

"پورے آٹھ گھنٹوں کے بعد ہوش میں آئی ہو۔"

وہ کچھ نہ بولی بس ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی۔

"ابھی گھر چلتے ہیں، میں ڈاکٹر سے اجازت لے کر آتا ہوں۔" وہ باہر نکل گیا تو وہ رو دی۔

☼ ☼ ☼

"ماہا اٹھو دوا کھا لو۔" مصطفیٰ اس کے پاس کھڑا کب سے اسے دوا کھانے پر اصرار کر رہا تھا لیکن وہ اس کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھ رہی تھی۔ تنگ آ کر وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور کھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔ جب سے وہ ہسپتال سے لوٹے تھے اس کا رویہ یہی تھا۔ رات کا کھانا بھی اس نے نہ کھایا اور جب رات کو سونے لگے تو وہ صوفے پر لیٹ گئی۔

"ماہا کیا ہو گیا ہے تمہیں، ادھر کیوں سو رہی ہو؟" وہ زچ ہو کر بولا تو وہ اسے ایک نظر دیکھ کر آنکھیں بند کر گئی۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔"

"آپ خاموشی سے سو جائیں، ورنہ میں یہ کمرہ بھی چھوڑ دوں گی۔" سختی سے کہنے پر وہ دوبارہ کچھ بول نہ سکا۔

اگلے کئی دنوں تک اس کا یہی معمول رہا۔

"ماہا مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" ایک روز اس نے اس کی کلائی پکڑ کر اس سے کہا تھا۔ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتی۔" اس کے ہاتھ سے کلائی چھڑا کر وہ آگے بڑھ گئی۔ اس کا یہ انداز اگلے دن تک جاری رہا۔ اور مصطفیٰ دن بہ دن اندر سے ٹوٹتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ماہا!" وہ ٹیرس پہ کھڑی رم جھم برستی بوندوں پہ نظریں ٹکائے نجانے کدھر کھوئی ہوئی تھی جب کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ چونک کر پیچھے دیکھنے لگی۔

"سردی بہت بڑھ رہی ہے یہاں کیوں کھڑی ہو؟" مصطفیٰ بہت اپنائیت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آہستگی سے وہاں سے ہٹ گئی کوئی بھی جواب دیے بنا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"کیا تم بھی، میرے ماضی کا حصہ بننے والی ہو۔" ٹیرس کی گرل سے ٹیک لگائے وہ سوچنے لگا۔ وہ اس لڑکی کو نجانے کب سے چاہنے لگا تھا۔ اس کی محبت اس کی روح میں خون کی طرح سرائیت کر گئی تھی۔ اس نے اس لڑکی کو اپنا دن رات بنا لیا تھا۔ لیکن وہ لڑکی اسے چھوڑنے والی تھی۔ وہ پل پل اسے اپنے سے دور ہوتا دیکھ رہا تھا لیکن چپ تھا، خاموش تھا۔ اس خاموشی میں اس کی بے بسی نمایاں تھی۔ جو دیکھنے والا دیکھ سکتا تھا لیکن جس کو دیکھنا چاہیے تھا وہی دیکھ نہ پا رہی تھی۔

اماں، بابا اور سعد ملنے آئے تو وہ سب بھول بھال کر ان کے گلے لگ گئی۔ مصطفیٰ حیران رہ گیا تھا۔ کہاں وہ ان سے فون پہ بات تک نہ کرتی تھی اور اب ان کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔

وہ اماں بابا کو معاف نہ کرنا چاہتی تھی لیکن ان کی محبت کے آگے وہ ہار گئی۔ ان کے سینوں پہ سر رکھ کر کچھ دیر کے لیے تلخ حقیقت کو جھٹلا دیا۔ سوچا تھا وہ ان سے کبھی نہ ملے گی۔ انہیں اپنی صورت تک نہ دکھائے گی لیکن آج ان کی محبت شفقت نے اس کے ناراض دل کو پگھلا دیا تھا۔ وہ رو رو کر ان سے معافی مانگتی رہی، کوئی شکوہ کوئی شکایت لبوں پہ آ ہی نہ سکی۔ اماں سے کہا بھی تو صرف اتنا۔

"مجھ سے حقیقت چھپا کر بہت برا کیا آپ نے میرے ساتھ بھی اور مصطفیٰ کے ساتھ بھی۔" اماں رو پڑی تھیں۔ اس نے بھی سوچ لیا تھا وہ اپنے بوڑھے ماں باپ سے انتقام لے کر کیا کرے گی، اس کی زندگی تو اس برف کے گلیشیئر نے خراب کی تھی وہ بوڑھے ماں باپ کو کیوں سزا دیتی۔ سزا کا اصل حق دار تو مصطفیٰ تھا۔ وہ برف کا تودہ، احساس و جذبات سے عاری شخص وہ جو منافق تھا اپنے دو روپ رکھتا تھا۔ دھوکے باز تھا اور اسے پہلے دن سے دھوکا دیتا آیا تھا۔

"تو گھر کب آئے گی ماہی؟" جاتے سمے اماں، بابا نے پوچھا تھا۔

"بہت جلد اماں۔"

"مصطفیٰ بیٹا اسے جلد لانا۔"

"میں اکیلی آؤں گی اماں۔" اس نے فوراً اماں کی بات کاٹی تھی۔ مصطفیٰ جو بابا سے گلے مل رہا تھا ٹھٹک گیا۔

"اب تو آنا ہی پڑے گا اماں۔" اس نے بے دردی سے کہا تھا۔

"لیکن بیٹا مصطفیٰ کے ساتھ۔"

"میں ان سے ہر تعلق توڑ کے آؤں گی۔" مصطفیٰ اک دم دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ بابا اور سعد گاڑی میں بیٹھ چکے تھے انہوں نے اس کی بات نہ سنی۔ اماں کے چہرے کی رنگت اڑ گئی۔

"نہیں بیٹا، یہ ظلم مت کرنا۔" اماں کی گھٹی گھٹی آواز نکلی۔

"پہلے آپ نے اپنی مرضی چلائی اور مجھے میری اجازت کے بغیر بیاہا اب میں اپنی مرضی چلاؤں گی اور آپ کی اجازت کے بغیر ان سے۔۔۔" اس سے آگے وہ

UrduPhoto.com

نہیں بولی کیونکہ اماں رو پڑی تھیں۔

"یہ ظلم مت کرنا ماہی، میرا بیٹا پہلے ہی اندر سے زخم زخم ہو چکا ہے۔ اسے مزید کوئی زخم مت دینا۔" وہ کچھ نہ بولی۔

"تم میری بیٹی ہو اور مصطفیٰ میرا بیٹا۔ میرے بیٹے کا خیال رکھنا۔ اسے مزید ٹوٹنے بکھرنے مت دینا۔" اماں کے رونے پہ مصطفیٰ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے کھڑی رہی۔

"تو اب وہ وقت آگیا ہے ماہا جب تم بھی مجھے چھوڑ جاؤ گی۔ میرے کمرے اور میرے گھر کو الوداع کہہ دو گی۔ کیا وہ وقت میرے نزدیک آنے والا ہے؟ کیا اب میری روح میرے جسم کا ساتھ چھوڑنے والی ہے؟" اسے پتا بھی نہ چلا اور وہ اس کے جسم میں روح بن گئی تھی۔

"ماہا کیا مصطفیٰ تمہارے بغیر زندہ رہ سکے گا؟" وہ سینے کے بائیں جانب اٹھتے درد کی شدید ٹیسوں کو دبانے میں ناکام رہا تو شدت کرب سے آنکھیں میچ گیا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا۔ اسے اپنے ماتھے پہ کسی کا لمس محسوس ہوا۔ وہ ہڑبڑا کر جاگی۔

"آپ۔۔۔؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم بھی چلی جاؤ گی ماہا۔" اندھیرے میں اس کی درد بھری آواز ابھری تھی۔

"جانا تو ہے۔"

"کس بات کی سزا دے رہی ہو مجھے۔" وہ تڑپ ہی تو گیا تھا۔ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ نے کس بات کی سزا دی مجھے۔" وہ ہاتھ چھڑا کر وہاں سے اٹھی اور بیڈ پہ آ لیٹی۔

"دھوکہ کیوں دیا؟" اس کے لہجے میں نرمی کا شائبہ تک نہ تھا۔

"میں نے تمہیں دھوکہ نہیں دیا۔ تم پوچھتیں تو میں بتا دیتا۔"

"جس بات کا مجھے علم نہیں تھا وہ بات میں کیسے پوچھتی۔" وہ لاجواب سا ہو گیا۔

"ماہا! جانتی ہو اگر تم نے مجھے چھوڑا تو میں، میں مر جاؤں گا۔"

"اور اگر نہ چھوڑا تو میں مر جاؤں گی۔" اس نے بہت بے دردی سے ان دیکھا خنجر اس کے سینے میں دے مارا تھا۔

"ماہا میرا اندر پہلے ہی مرا ہوا ہے۔" وہ تڑپ کر بولا تھا۔

"تو میرا اندر کون سا زندہ ہے۔"

"ماہا!"

"پلیز!" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ اور کہنے سے باز رکھا۔ "میں نہیں چاہتی جو گھر میں نے کل چھوڑنا ہے وہ آج ہی چھوڑ دوں۔"

اس کے اتنے تیز لہجے پہ وہ آگے کچھ اور بول ہی نہ سکا۔ نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا اور پھر اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر وہاں سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

اس کا خیال رکھنا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ نہ وہ اس سے کھانے کا پوچھتی تھی اور نہ کھانے کا کہتی تھی۔ وہ کب آتا ہے۔ کب جاتا ہے اس نے یہ جاننا ترک کر دیا تھا۔ اس کی ضرورتوں سے وہ یکسر انجان بنی بیٹھی تھی۔ اسے کیا چاہیے کیا نہیں چاہیے۔ اس نے یہ سب کچھ سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ رات جب وہ گھر آتا وہ اسے سوتی ہوئی ملتی۔ صبح تب تک سوئی رہتی جب تک وہ آفس نہ چلا جاتا۔ وہ بھوکا ہی آفس چلا جاتا۔ اماں بابا فون کرتے تو وہ سب ٹھیک ہے کہہ دیتی۔

"کب تک سزا دیتی رہو گی مجھے۔" اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"آج نہیں ماہا، آج نہیں، بہت سہہ لی دوری تمہاری اب نہیں مجھ سے برداشت ہو رہا۔" وہ اس کے گرد اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولا۔

"پلیز۔" وہ چیخ پڑی تھی۔

"مجھے آپ جیسے دھوکے باز سے کوئی تعلق نہیں رکھنا ہے۔ مجھے مزید دھوکا مت دیں پلیز۔" وہ اپنا آپ

چھڑا کر پھر سے صوفے پہ جا بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھ سے ٹپکنے والا ہر آنسو اسے احساس ندامت میں مبتلا کر رہا تھا لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ جھوٹ وہ نہیں بول سکتا تھا اور سچ بول کر اسے ناراض کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے آزادی چاہیے۔" وہ ٹی وی پہ نظریں جمائے بیٹھا تھا جب وہ اس کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے کپ سے چائے چھلکی تھی۔ وہ بے تاثر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟" اس کا لہجہ ہی نہیں انداز بھی ٹھنڈا ٹھار تھا۔

"آزاد ہونے کے لیے وجہ ضروری ہے؟" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا تھا۔

"ہاں۔" وہ بھی کپ ٹیبل پر رکھ کر اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

"وجہ آپ جانتے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا۔" مصطفیٰ نے اس کے کندھوں پہ دونوں طرف ہاتھ رکھ کر ذرا سا دباؤ ڈالا۔

"نہیں جانتے تو رہنے دیں۔ مجھے طلاق دیں۔" وہ پیچھے ہٹنا چاہتی تھی لیکن اس کوشش میں ناکام رہی۔ اس کے ہاتھ کندھوں سے ہٹا نہ سکی۔

"میں نے تم سے کہا تھا ماہا جب مجھے چھوڑ کے جانے لگو تو مجھے جانے کی وجہ بتا کر جانا اور اب بھی یہی کہہ رہا ہوں مجھے طلاق لینے کی اصل وجہ بتاؤ۔"

"وجہ کیا ہو گی، کیا آپ اس وجہ سے ناواقف ہیں ابھی دو ماہ پہلے ہی تو آپ نے اپنی شادی کا اعتراف کیا تھا۔"

اب کی بار اس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹائے۔

"تو کیا مرد دو شادیاں نہیں کر سکتا؟" وہ بھی دھیمی آواز میں جیسے دھاڑا۔

"کر سکتا ہے، کیوں نہیں کر سکتا لیکن اس طرح دھوکا دہی سے نہیں، اس طرح فراڈ کر کے نہیں جس طرح آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ مجھے اندھیرے میں رکھا ہے۔"

"ماہا تم ایسی تو نہ تھیں۔" کتنی بے بسی تھی اس کے لہجے میں، کتنی لاچاری، لیکن وہ محسوس ہی نہ کر سکی۔

"آپ نے بنا دیا ہے ایسا مجھے دھوکا دے کر کیا ملا آپ کو؟ میری زندگی ہی خراب ہوئی نا۔"

"وہ میری پہلی بیوی تھی۔ میرے ساتھ چند گھنٹے رہی۔"

"جھوٹ مت بولیں آپ، آپ جیسے منافق ہزاروں دیکھے ہیں میں نے۔"

"اس طرح بے بنیاد الزام مت لگاؤ۔" بہت بے بسی سے اس کے ہونٹوں سے پھسلا تھا لیکن وہ اپنے جوش میں اس کا دھواں دھواں چہرہ دیکھ ہی نہ سکی۔

"یہ الزام نہیں سچ ہے۔ جو کل بھی آپ کے سامنے تھا اور آج بھی ہے یہ اور بات ہمیشہ آپ نے اس سچ کو جھٹلایا ہے۔"

"ماہا تم غلط کہہ رہی ہو، بنا سوچے سمجھے مجھ پہ پتھر مت گراؤ، میں پہلے ہی لہولہان ہوں مزید زخمی مت کرو مجھے۔ پہلے دوسروں کے ہر وار پہ سنبھل گیا تھا لیکن اب نہ سنبھل پاؤں گا۔ میں نے ابھی تو زندگی جینا سیکھی ہے۔ ابھی تو مجھے زندگی گزارنے کا ڈھنگ آیا ہے اور ماہا تم مجھے ابھی سے ہی اس زندگی سے دور کرنا چاہ رہی ہو۔ اتنا ظلم مت کرو، میں تمہارے لگائے گئے زخموں کو سہہ نہ پاؤں گا۔"

"ظلم میں نہیں آپ مجھ پہ کر رہے ہیں۔ مجھے قدم قدم پر زخمی آپ کر رہے ہیں۔ بہرحال جو بھی ہے مجھے ہر حال میں آپ سے طلاق چاہیے۔"

"میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا ماہا۔"

"کیوں، کیوں نہیں دیں گے آپ طلاق، میں عدالت کا دروازہ بھی کھٹکھٹا سکتی ہوں۔"

"میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم کیوں نہیں میری مجبوری سمجھ رہی ہو۔"

"کیا مجبوری ہے آپ کی۔"

"محبت کرنے لگا ہوں میں تم سے، شدید محبت۔"

UrduPhoto.com
posted by Neelofar
on Friday

"جس طرح پہلے ماہین سے کی تھی؟" اس نے بہت چبھتا ہوا طنز کیا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن اس سے بھی زیادہ بہت زیادہ۔"

"بہت خوب!"

"ماہا تم ماہین کے مسئلے کو لے کر اس قدر بڑا مسئلہ کیوں بنا رہی ہو۔"

"صرف ماہین کے مسئلے کو نہیں مصطفیٰ اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو مجھے آزاد ہونے پہ مجبور کر رہی ہیں۔"

"تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں؟"

"معافی آپ معافی کا کہہ رہے ہیں مصطفیٰ۔ اتنے بڑے دھوکے کے بعد بھی معافی کی کوئی گنجائش بچتی ہے؟"

"تمہارا دل تو بہت وسیع ہے۔"

"ہاں ہے میرا دل وسیع، میں معاف کر سکتی ہوں آپ کو، آپ نے ایک گھر کی خاطر صرف ایک گھر کی خاطر اپنی ماں بہنوں کو گھر سے نکال دیا، میں اس کے بارے میں آپ سے نہیں پوچھوں گی، آپ نے دوبارہ ان سے کوئی رشتہ کیوں نہ جوڑا یہ بھی نہیں پوچھوں گی۔ آپ نے ماہین سے کتنی محبت کی اور اس سے کیوں اور کب شادی کی پھر اس سے مجھے کوئی غرض نہیں لیکن میں یہ ضرور آپ سے پوچھوں گی آپ کے اور کتنی عورتوں کے ساتھ تعلقات تھے اور آپ اتنے بے غیرت اور بے ضمیر کیوں ہو گئے تھے کہ آپ نے اپنی بھابی۔۔۔" تھپڑ اس کے رخسار پہ پڑا۔ وہ صوفے پہ گری۔ وہ دھپ دھپ کرتا وہاں سے نکل گیا۔

رات کو وہ گھر نہیں لوٹا تھا۔ وہ تین بجے تک جاگتی رہی لیکن وہ نہیں آیا۔ وہ لاکھ نہ نہ کرتی لیکن اندر سے وہ خوفزدہ ہو چکی تھی۔ کسی انہونی کا خدشہ تھا۔ دو تین بار دل میں آیا اسے فون کر لے لیکن بار بار وہ دل کو جھٹک دیتی، دل کی آواز دبا دیتی۔ لیکن جب ساڑھے تین بجے تک بھی وہ نہ آیا تو وہ دل کی آواز زیادہ دیر تک نہ دبا سکی۔ لیکن بار بار اس سے رابطہ کرنے پر بھی اس کا موبائل آف ملا۔ وہ حقیقی معنوں میں پریشان ہو گئی تھی اور نجانے اس پریشانی میں وہ کب سو گئی تھی کہ اسے کچھ پتا ہی نہ چلا۔ صبح جاگنے پر اس نے اپنے آپ کو بیڈ پہ لیٹے پایا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھی تو اسے ساتھ والے صوفے پہ وہ بھی لیٹا نظر آ گیا۔ اس وقت وہ بہت گہری نیند میں تھا۔ نجانے کب لوٹا تھا۔ وہ یہ بات جان نہ سکی۔ اس نے اک اطمینان اور شکر بھرا سانس لیا۔ اور یہ شکر بھرا سانس اس کے بخیر و خوبی لوٹ آنے پہ لیا تھا۔

بے شک وہ اس شخص کو ناپسند کرنے لگی تھی۔ اسے دل سے نکالنا چاہتی تھی اور اب اس سے چھٹکارہ پانا چاہتی تھی لیکن وہ اتنی بے حس نہ تھی کہ انسانیت کے ناتے کسی اور انسان کا خیال نہ رکھتی۔

اس دن وہ آفس نہ گیا تھا سارا دن کمرے میں پڑا رہا اور پھر شام کو کہیں نکل گیا۔ اگلے تین چار دنوں تک اس نے یہی رویہ اپنائے رکھا تھا اور ہر بار وہ طلاق کا مطالبہ کرتے کرتے رہ جاتی۔ وہ واپس گھر جانا چاہتی تھی لیکن وہ یہ معاملہ ادھورا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی۔ اسے یہیں ختم کر دینا چاہتی تھی لیکن وہ ہاتھ آتا تب نا۔

اگلے ایک ہفتے تک وہ اسے گھر پہ نظر ہی نہ آیا۔ جانے کب گھر آتا اور اس کے جاگنے سے پہلے ہی چلا بھی جاتا۔ اماں، بابا کا فون آیا تو اس نے کہہ دیا کہ تین چار دنوں تک وہ ادھر آئے گی۔

موسم بھی آج کچھ خراب تھا۔ باہر بارش شروع ہو چکی تھی۔ وہ بے چین سی ہو کر کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگی۔

"مان لو ماہا اس کی جدائی تم سے برداشت نہ ہو رہی ہے۔ مر جاؤ گی اس کے بغیر۔" وہ اندر کی آواز پہ گھبرا گئی تھی۔

بے چینی سے کھڑکی بند کر کے واپس بیڈ پہ آ بیٹھی۔

"تین ماہ سے اپنے ساتھ جو آنکھ مچولی کھیل رہی ہو، کیا اس سے ابھی تک تم نے کچھ حاصل نہیں کیا؟ سارا دن جو گھر میں بولائی بولائی پھرتی ہو۔ بار بار اس کی تصویر

کے سامنے جا کھڑی ہوتی ہو۔ اسی سے اس کی شکایتیں کرتی۔ کیا ابھی تک تم خود کو سمجھ نہیں سکیں۔" وہ اضطراری حالت میں نچلا ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ باہر واقعی بارش زوروں پر تھی۔ اسی لیے اس کی آواز بھی بہت زیادہ تھی۔

صبح ناشتا بے دلی سے کرنا، دن کا کھانا نہ کھانا، رات کے کھانے پہ بار بار دروازے کی طرف دیکھنا۔ یہ کیا ہے ماہا سبحانی؟ کیوں سچ سے نظریں چراتی ہو کیوں نہیں اعتراف کر لیتیں۔" وہ اندر کے شور سے گھبرا کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ اب جاگنا نہیں چاہتی تھی کہ سوچیں اس کے پیر ڈگمگا رہی تھیں۔ کروٹیں بدل بدل کر وہ سونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

جد عشق دی اگ اندر لگی ہو
تے کیویں اکھ لگے
جد عشق دی بھٹی وچ جلدے ہو
تے کیویں اکھ لگے
روٹی پانی سونا جاگنا
نہ عشق دے اگے کوئی اوقات رکھے
عاشقاں عشق وچ جینا عشق ہی وچ مرنا
تے کیویں اکھ لگے

اسے اپنے گال بھیگتے ہوئے محسوس ہوئے تو وہ چونک کر چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ رو رہی تھی لیکن وہ یہ بات جان ہی نہ سکی۔

☼ ☼ ☼

اس نے بہت آہستگی سے آنکھیں کھولیں اور گردن موڑ کر صوفے کی طرف دیکھا۔ وہ وہیں بیٹھا تھا۔ انگلیوں میں اس کے جلا ہوا سگریٹ دبا تھا۔ وہ صوفے کی بیک سے سر ٹیکے آنکھیں موندے ہوئے تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس نے اتنے دنوں بعد اسے آج دیکھا تو دل کو کچھ ہونے لگا۔

اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ چہرہ ستا ہوا تھا۔ کشادہ ماتھے پہ الجھے بکھرے بال پڑے تھے۔ آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقے اس وقت بھی بہت نمایاں لگ رہے تھے۔ اس وقت وہ بہت کمزور لگ رہا تھا۔ ماہا اس کے اس حلیے پہ تڑپ کر رہ گئی۔

"وہ اس طرح کیوں ہو گیا ہے؟" اس نے اپنے دل سے پوچھا۔

"محبت کرنے لگا ہوں میں تم سے، شدید محبت۔" اسی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"کیا واقعی؟" اپنے چہرے پہ اس کی نظریں محسوس کر کے یکدم اس نے آنکھیں کھول دیں تو اس نے گڑبڑا کر اپنے چہرے کا رخ موڑ لیا۔

"ماہا مجھے معاف کر دو۔" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی اس کی آواز پہ نہیں بلکہ اس نے اس کے پیر پکڑ لیے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" اس نے جھٹکے سے اپنے پیر واپس کھینچے۔

"مجھے معاف کر دو ماہا، اس طرح ناراض ہو کے مت جاؤ، میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر۔ بہت چاہا تم سے جدا ہو کر زندہ رہ لوں، لیکن نہیں ماہا نہیں رہ سکتا، میں تمہارے بغیر۔۔۔" وہ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے تھا۔

اس نے تڑپ کر اس کے ہاتھ کھولنے چاہے۔

"مجھے لگتا ہے ماہا، مصطفیٰ تمہارے بغیر کچھ نہیں، اس کی زندگی کی سانسیں تم سے مشروط ہیں۔ مصطفیٰ تمہارے بغیر رہ نہیں سکتا تو جیے گا کیسے؟ اس پہ ترس کھاؤ ماہا، اس پہ کچھ رحم کرو۔" بے چارگی سے اس کی سرخ آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

"مصطفیٰ پلیز۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ، کھولیں ہاتھ۔"

"مجھے معاف کر دو، مجھ سے اس طرح ناراض مت رہو۔ تمہیں جو کچھ بھی بتایا گیا ہے۔ وہ غلط ہے، سب کچھ جھوٹ ہے ماہا۔ تمہیں مجھ سے متنفر کرنے کے لیے یہ سب کچھ بتایا گیا ہے۔ لیکن تم تو میری ہو نا، تمہیں مجھ پہ یقین ہے، مجھ پہ اعتماد ہے پھر کیوں ان باتوں میں آ گئیں۔

ماہا میں تمہیں سب کچھ بتانا چاہتا ہوں، اپنے ایک

UrduPhoto.com
posted by Urdu

ایک شب و روز کو تمہارے سامنے رکھ دینا چاہتا ہوں، مگر ایک شرط ہے ماہا اگر ساری کہانی میں مجھے غلط پاؤ تو بے شک مجھے چھوڑ کے چلی جانا، لیکن اگر حالات میرے حق میں ہوئے تو انصاف ضرور کرنا۔" مصطفیٰ نے اتنی بے چارگی سے کہا کہ وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ بس خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی جہاں کرب و اذیت کی لکیریں اپنی جھلک دکھا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

مصطفیٰ غریب ماں کا غریب بیٹا۔ نانی بیماری کی وجہ سے چل بسیں نانا آئے روز بیمار رہتے تھے۔ میری امی ان کی اکلوتی اولاد تھیں۔ ایک دن شہر سے کچھ ڈاکٹر آئے تھے۔ امی کو خبر ہوئی تو وہ اپنے ابا کو ان کے پاس لے گئیں۔ وہیں ان کی ملاقات ڈاکٹر مرتضیٰ علی سے ہوئی۔ جنہوں نے میرے نانا کا مفت علاج کیا۔ ڈاکٹرز کی ٹیم نے گاؤں میں پندرہ دن رہنا تھا۔ ڈاکٹر مرتضیٰ علی نے میری امی سے کہا کہ وہ اپنے ابو کو ایک بار پھر ان کے پاس لے کر آئیں۔ امی نے ان کی ہدایت پر عمل کیا اور نانا کو ان کے پاس دوبارہ لے گئیں۔ وہاں جا کر انہیں احساس ہوا کہ ڈاکٹر مرتضیٰ علی بہت بے چینی سے ان کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ڈاکٹر مرتضیٰ علی ان کے گھر چلے آئے۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ایک دن انہوں نے بہت بے تابی سے کہا تھا اور امی نے سادگی سے کہہ دیا کہ نانا سے بات کر لیں۔

ڈاکٹر مرتضیٰ علی بہت بے چین طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے نانا سے بات کر لی۔

انہوں نے امی سے ان کی شادی کا عندیہ دے دیا۔ وہ شاید اسی انتظار میں زندگی کے دن گن رہے تھے۔ تین دن بعد وہ اپنے حقیقی مالک سے جا ملے۔ ڈاکٹرز کی ٹیم نے اسی روز واپس چلے جانا تھا۔ جاتے وقت وہ میری امی کو ڈھیروں تسلی، دلاسے دے کر گئے تھے اور بہت جلد واپس آنے کو کہا اور میری ماں اسی روز سے ان کی واپسی کے دن گننے لگیں لیکن ان کا انتظار طویل ہوتا گیا اور پھر انہیں میری آمد کے بارے میں خبر ہوئی تو وہ بیمار ہو گئیں۔ ڈاکٹر مرتضیٰ علی کو ان کی یاد واپس کھینچ لائی۔ انہیں اس قدر بیمار دیکھا تو شہر لے جانے کی تیاری کرنے لگے۔

اور جب شہر لائے تب امی کو خبر ہوئی کہ انہوں نے ان سے دوسری شادی کی تھی۔ ان کی پہلی بیوی ستارہ بیگم تھیں۔ جنہوں نے میری ماں کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ تب ان کی ایک بڑی بیٹی اور ایک بیٹا تھا۔

ڈاکٹر مرتضیٰ علی نے پورے خاندان کی مخالفت کے باوجود امی کو اپنے پاس رکھا اور انہیں وہی محبت، توجہ دی جو وہ ستارہ بیگم کو دیتے تھے۔ جس دن میں پیدا ہوا امی اسی دن چل بسیں۔ پاپا کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ چونکہ مما نے امی اور ابو کی شادی کو قبول نہ کیا تھا اسی لیے انہوں نے مجھے ناجائز قرار دیا۔

ادھر پاپا پریشان تھے۔ انہوں نے میرے لیے آیا رکھنا چاہی تھی، لیکن مما کی چھوٹی بہن جو اپنے والدین کی وفات کے بعد اپنی بڑی بہن ستارہ بیگم کے پاس رہ رہی تھیں انہوں نے پاپا کو آیا رکھنے نہ دی اور مجھے اپنی گود میں لے لیا اور یہیں سے میں ان کے قریب ہوتا چلا گیا۔

گھر کے سب بچے انہیں خالہ جانی کہتے تھے میں بھی انہیں خالہ جانی ہی کہنے لگا۔ وہ بہت اچھی تھیں۔ دوسروں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ہر ایک سے محبت کرتی تھیں۔ ان کی محبت دیکھ کر میں بھی ان سے محبت کرنے لگا۔

مما کا میرے ساتھ وہی سوتیلا رویہ تھا۔ انہوں نے میرے ساتھ وہی ظلم کیا جو سوتیلی ماں روا رکھتی ہے۔ میرے دوسرے بہن بھائی بھی اپنی ماں کے دیکھا دیکھی مجھے ذلیل کرنے لگے۔

جو بھی تھا وہ میرے بہن بھائی تھے۔ مجھے ان کے ساتھ مل جل کر رہنا بہت اچھا لگتا تھا۔ سب سے بڑی بہن مومنہ تھی جو دل کی اچھی تھی۔ مومنہ سے چھوٹا ارتضیٰ تھا اور پھر مجتبیٰ اور ایمان ان تینوں کو مجھ سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ نور سب سے چھوٹی تھی جس سے مجھے بہت محبت تھی۔ وہ ارتضیٰ، مجتبیٰ سے زیادہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔

مومنہ اگر مجھے پسند نہیں تو ناپسند بھی نہیں کرتی تھی جب کہ ایمان بہت سخت جھگڑالو اور جنونی قسم کی لڑکی تھی اگر کبھی میں اس کی کسی چیز کو ہاتھ بھی لگا دیتا تو وہ چیخنے چلانے لگتی۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مجھے گھر سے وحشت محسوس ہونے لگی۔ مجھے اپنے ہی گھر میں یوں جانوروں کی طرح رہنا گراں گزرنے لگا۔ میں نے یہ اظہار اپنے پاپا سے بھی کر دیا لیکن انہوں نے کب میری حمایت کی تھی جو اس وقت میرا ساتھ دیتے۔

انہوں نے اپنے آپ کو بے بس ثابت کر دیا۔

خالہ نے ماں بن کر دکھایا اور ہر مشکل مقام پر میرا ساتھ دیا۔ میری ٹوٹی پھوٹی شخصیت کو انہوں نے کافی حد تک جوڑنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی اتنی کامیاب نہ ہو سکیں کیونکہ میرے دوسرے بہن بھائیوں کے مقابلے میں، میں کچھ بھی نہ تھا۔ اک نحیف کمزور لاغر سا لڑکا۔ میں بہت حساس تھا دوسروں کے دکھ درد پر تڑپ اٹھتا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ دن کٹتے رہے۔ پاپا نے مجھے لکھایا پڑھایا اور اپنے بزنس میں شامل کر لیا جس کی مما اور میرے بہن بھائیوں نے بہت مخالفت کی لیکن یہاں پاپا نے کسی کی نہ سنی لیکن میں اس مقام پر خوش ہونے کی بجائے اور اداس ہو گیا۔ کیونکہ انہی دنوں خالہ اماں کی شادی ہو گئی تھی۔ (ماہا کے ابو سے) اب میں کس سے اپنے دل کی حالت بیان کر سکتا تھا۔

ایک دن میں بہت اداس تھا۔ گھر میں جو مما پاپا کی جنگ جاری تھی اس سے بہت گھبرا رہا تھا۔ نجانے کس بات پر ارتضیٰ نے اس دن میرے ساتھ جھگڑا کیا تھا کہ میں نے غصے میں آ کر اس کا گریبان پکڑ لیا چونکہ وہ میرا بڑا بھائی تھا۔ اسی لیے گھر میں اس بات کو بہت اچھالا گیا۔

مما مجھے گھر سے نکالنے پہ بضد تھیں لیکن پاپا میرے حق میں تھے میرے سب بہن بھائی مما کی طرف تھے، سوائے نور کے۔ اس دن ہمارے گھر میں بہت بڑا طوفان اٹھا تھا اور پاپا نے غصے میں آ کر یہ گھر میرے نام کر دیا لیکن اس کے بارے میں میرے علاوہ کسی کو نہ بتایا۔ میں نے پاپا کو منع کرنا اور روکنا چاہا تھا لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی۔ میں خالہ اماں کو بتا کر بھی بہت پریشان اور اداس تھا۔ ارتضیٰ اور مجتبیٰ مجھ سے سیدھے منہ بات نہ کرتے۔ جب میں پاس جاتا، منہ پھیر لیتے۔ بہنوں کا بھی یہی رویہ تھا۔ نور کو بھی انہوں نے ورغلا رکھا تھا۔ اسے پھر بھی میں نے راضی کر ہی لیا لیکن وہ چاروں بری طرح مجھ سے متنفر ہو چکے تھے۔

گھر میں اتنی ٹینشن تھی کہ میں کہیں دور بھاگ جانے کا سوچنے لگا لیکن اس پر عمل نہ کر سکا۔ ایک دن میں شام کو سمندر پہ چلا آیا۔

"مسٹر کیا ڈوب مرنے کا ارادہ ہے۔" وہ جو کوئی بھی تھی اسے دیکھ کر میں ٹھٹک کر اٹھ بیٹھا۔ سرمئی کپڑوں پہ سرمئی سویٹر اور سرمئی ہی شال لپیٹے اپنی گہری سیاہ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے وہ اسی خوب صورت سہانی شام کا اک حصہ لگ رہی تھی۔ نجانے کیوں اسے دیکھ کر میں اپنی دھڑکنوں پر قابو نہ رکھ سکا۔ حالانکہ میرے ساتھ یہ پہلا واقعہ تھا کہ کوئی لڑکی مجھے اتنی خاص لگی تھی۔

"کیا آپ گونگے بھی ہیں؟" مجھے چپ دیکھ کر اس نے میری آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی کلائی میں پڑی سفید چوڑیاں چھنک اٹھیں۔ میں نے پھر چونک کر اسے دیکھا تو وہ ماتھے پہ ہاتھ مار کر رہ گئی۔

"کیا کوئی پریشانی ہے؟" وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔

"ہاں۔" اچانک میرے لبوں سے نکلا تھا۔ اس بار وہ چونکی تھی۔

"شکر ہے بولتے ہیں۔" کہتے ہی وہ ہنس پڑی تو میں اس کے چمکتے دانتوں میں ہی کہیں کھو سا گیا۔ اس نے ایک بار پھر میرے سامنے چٹکی بجائی تھی۔

UrduPhoto.com

"کہاں کھو جاتے ہیں آپ۔" میرے ایک بار پھر چونکنے پر قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

"میں نے آپ سے آپ کی پریشانی پوچھی ہے جناب اور آپ ہیں کہ الٹا مجھے پریشان کیے جا رہے ہیں۔"

"اس وقت تو میری اصل پریشانی آپ ہیں۔"

"میں؟" بہت صدمے سے اس نے انگلی کی مدد سے اپنی طرف اشارہ کیا تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اے مسٹر، منہ سنبھال کے ماہین کے ساتھ پنگا ازناٹ چنگا۔" اس نے گھورتے ہوئے مجھے وارن کیا تھا۔

"تو آپ کو ماہین کہتے ہیں۔" میرے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"بائی داوے آپ کا نام کیا ہے؟ اور اس وقت میں آپ کے لیے اصل پریشانی کیوں ہوں وضاحت کریں گے۔" اب کی بار وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔

"مصطفیٰ کہتے ہیں مجھے۔" میں نے ایک گہرا سانس لیا۔ "اور میری اصل پریشانی یہ ہے کہ آپ کتنا کم بول رہی ہیں۔" میرے خفیف سے طنز پہ وہ ایک بار پھر کھلکھلائی۔

"دراصل مصطفیٰ صاحب اگر میں کچھ دیر بولوں نا تو میرے سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ میری اسٹوپڈ کزن آئی ہوئی ہے وہ تو چلی گئی اپنے فیانسی کے ساتھ اور یہاں مجھے اکیلا چھوڑ گئی ہے۔ اب آپ ہی بتائیں میں اس سمندر سے کیا باتیں کروں۔" وہ نہایت فکر مندی سے مجھ سے مشورہ چاہ رہی تھی۔

"آپ مجھ سے باتیں کریں۔" میرا جواب میرے لیے بھی غیر متوقع تھا۔

"اسی لیے تو آپ کی طرف آئی ہوں۔ آپ اپنی پریشانی مجھ سے شیئر کریں میں تو اپنی پریشانی واضح کر چکی ہوں۔" وہ جو بھی تھی لیکن مجھے اچھی لگ رہی تھی۔ نجانے کیوں میں اپنی عادت کے برخلاف اس سے ادھر ادھر کی ڈھیروں باتیں کر گیا۔ وہ بھی بڑی دلچسپی سے مجھے سنتی رہی اور خود پٹر پٹر بولتی رہی۔

"میری کزن آ گئی۔" ملگجے اندھیرے میں بھی اسے اپنی کزن نظر آ گئی تو میں اک دم سے اس کے چلے جانے سے اداس سا ہو گیا۔

"آپ اتنی پریشانی میں یہاں کیوں تھے یہ تو آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں۔" وہ ایک بار پھر میری طرف پلٹی تو میرے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ کھیل گئی۔

"کل بتاؤں گا۔ اگر آپ دوبارہ یہاں کل آئیں تو۔" میں نے اک آس سے کہا۔

"کیوں نہیں، میں کل یہاں آپ سے پہلے موجود ہوں گی۔" وہ تو پہلے ہی تیار تھی۔ ہنستی مسکراتی ہوئی مجھ سے اجازت لے کر چلی گئی اور حیرت انگیز طور پر مجھے اپنے گھر لوٹنا اچھا لگا۔ مجھے اپنا کمرہ پیارا لگنے لگا۔

دوسرے دن وہ پھر مجھ سے ملی تھی اور ہمارا یہ ملنا ملانا طویل ہوتا چلا گیا۔

وہ شوخ چنچل اور لاپرواسی لڑکی تھی لیکن اس کا دل کتنا حساس تھا۔ وہ میرا بہت خیال رکھنے لگی اور میں اس کی قربت میں جیسے اپنا آپ بھول گیا۔ اگر کوئی پریشانی ہوتی، کوئی مشکل نظر آتی یا میں اداس ہوتا تو اپنی ہر مشکل ہر پریشانی اور ہر اداسی میں اس کے حوالے کر دیتا اور وہ منٹوں میں مجھے سنبھال لیتی۔

ہم دونوں شام کو ضرور ملتے تھے اس کے علاوہ ایک دوسرے کو ایس ایم ایس کرنا میل بھیجنا، لمبی لمبی فون کالز کرنا اور ہر خاص موقع پر ایک دوسرے کو کارڈ پھول اور گفٹ بھیجنا ہمارا معمول بنتا چلا گیا۔ وہ زندگی جو مجھے موت سے بھی بدتر لگ رہی تھی۔ اب وہی زندگی مجھے سب سے پیاری لگ رہی تھی۔

"کاش ماہین تم مجھے پہلے مل جاتیں۔" نجانے دن میں کتنی بار اس خواہش کا اس کے سامنے اظہار کرتا تھا اور وہ معصومیت سے ہنس دیتی اور کہتی۔

"افسوس اب کیا ہو سکتا ہے۔" اس دن میں گھر لوٹا تو ہال میں نور اور اس کی کوئی فرینڈ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اس کی اس دوست سے واقف تھا۔ وہ نور کے ساتھ ہی

کالج میں پڑھتی تھی اور اس کا نام ربیعہ تھا۔ میں جیسے ہی ہال میں داخل ہوا ربیعہ مجھے دیکھ کر چونکی اور پھر کھڑے ہو کر مجھے سلام کیا۔

"کاش آج میں کچھ اور بھی مانگ لیتی۔" میرے سلام کے جواب میں اس نے آہستہ سے کہا تھا، یا شاید مجھے ہی سنایا تھا۔ میں نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا، لیکن وہ میری طرف سے رخ پھیر کر نور سے باتیں کرنے لگی اور پھر اکثر ایسا ہونے لگا کہ میں جب بھی گھر آتا وہ پہلے ہی سے ہمارے گھر میں موجود ہوتی۔ اور مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پہ بہت سے رنگ کھل جاتے۔ اور تب میں ٹھٹک جاتا۔

نہ جانے کیوں میں اس کی ہر نظر پہ ٹھٹکتا ضرور تھا۔ وہ بھی اس لیے کہ وہ میرے سامنے نمایاں ہونے کی بہت کوشش کرتی تھی۔ جان بوجھ کر مجھ سے باتیں کرتی تھی۔ چاہے ایمان اور مومنہ کو برا ہی کیوں نہ لگے لیکن میں وقت کے ساتھ ساتھ اس کی "خاص نظر" کو سمجھتا چلا گیا۔ اور پھر یہ خاص نظر اک دن کھل کر میرے سامنے آ گئی۔

ارتضیٰ کی شادی کے موقع پر وہ بھی آئی تھی۔ ہر رسم میں نور وغیرہ کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔ لیکن میرے آگے پیچھے منڈلانا جیسے اس نے اپنا فرض جان رکھا تھا۔ میں جھنجھلا کر وہاں سے ہٹ گیا۔ جہاں وہ میرے گرد چکر پہ چکر لگا رہی تھی اور پھر مجھے وہاں سے ہٹنا پڑا۔ جہاں جہاں وہ پائی جاتی۔

"مصطفیٰ آپ بہت زیادتی کر رہے ہیں میرے ساتھ۔" ولیمے والے روز وہ میرے قریب آ کر شکوہ آمیز لہجے میں بولی تھی۔ میں وہاں سے بھی ہٹنا چاہتا تھا لیکن اس نے کمال جرات سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

جتنی جرات کا مظاہرہ کر کے اس نے میرا ہاتھ پکڑا تھا۔ اب اتنی ہی جرات سے اس نے اپنی خواہش کا اظہار بھی کر دیا۔ میں اس کی اس جرات پہ بھونچکا رہ گیا۔ اور جب ہوش آیا تو جی چاہا اسے تھپڑ مار دوں۔

"سوری، میں نے کبھی آپ کو اس نظر سے نہیں دیکھا۔ آپ میری بہن کی دوست ہیں دوست ہی رہیں۔" میں جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گیا۔ اور وہ ایک دن پھر میرے سامنے تھی۔

"کیا کوئی اور ہے جو مجھ سے بڑھ کر۔۔۔"

"ہاں۔۔۔" میں نے پس و پیش سے کام نہیں لیا تھا اور نہ اسے کوئی امید تھمائی تھی۔ اس لئے اسے آگاہ کر دیا اور پھر وہ میرا جواب سن کر وہاں رکی نہیں تھی۔

پتا نہیں کیوں اس واقعے کے بارے میں، میں نے ماہین کو کچھ نہ بتایا۔ ارتضیٰ کی شادی کے بعد مما، مومنہ کی شادی بھی کرنا چاہتی تھیں، میرا ایک دوست تھا وہاب، اس نے مومنہ کو کسی تقریب میں دیکھا تھا۔ ایک دن اس کی امی اس کا پروپوزل لے کر ہمارے گھر آ گئیں۔ چونکہ مما وہاب سے واقف تھیں اور جانتی تھیں کہ وہ میرا دوست ہے اسی بات کو انہوں نے لے کر وہ طوفان اٹھایا کہ مما نے اگلے پچھلے سب حساب برابر کر دیئے مما کو تو میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ جب ارتضیٰ اور مجتبیٰ نے وہی سلوک میرے ساتھ کرنا چاہا جو مما میرے ساتھ کر رہی تھیں، تب میں اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور ان دونوں سے جھگڑ پڑا معاملہ ہاتھا پائی تک بڑھ گیا۔ ہم تینوں بھائیوں میں ایک بار پھر ٹھن گئی۔ نہ وہ میری شکل دیکھنے کے روادار تھے اور نہ میں، اور ٹھیک دو دن بعد مومنہ نے مما پاپا کی اجازت کے بغیر اپنے کسی دوست سے شادی کر لی اور گھر میں صرف فون پہ اطلاع دی۔

مومنہ کے اس فعل کو بھی گھر والوں نے میرے کھاتے میں ڈال دیا۔

ابھی یہ مسئلہ اتنا دبا نہ تھا کہ گھر میں مجتبیٰ نے اپنی شادی کا شوشا چھوڑ دیا۔ مجتبیٰ ربیعہ سے شادی کرنا چاہتا تھا، سب نے اس کی خواہش کا احترام کیا اور ربیعہ بیاہ کر ہمارے گھر آ گئی۔ میں جان بوجھ کر اس کا سامنا کرنے سے کتراتا رہا لیکن شادی کے پندرہ سولہ دن بعد مجتبیٰ نے میرے سر پہ جیسے ایک دھماکہ کر دیا۔

میں ابھی ابھی دفتر سے لوٹا تھا اور شاور لے کر باہر نکلا ہی تھا کہ مجتبیٰ کو اپنے کمرے کے وسط میں کھڑا پایا۔ میں حیران سا اس کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے میں

posted by freeporn
UrduPhoto.com

کچھ کہتا وہ خود ہی بول پڑا۔
"مصطفیٰ بہتر ہوگا جو آپ کہیں اور ٹھکانہ کرلیں۔"
اس کا انداز دھمکی دینے والا ہی تھا۔
"کیوں؟"
"کیوں کا مطلب آپ خوب جانتے ہیں۔"
"میں سمجھا نہیں مجتبیٰ! تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" میں واقعی کچھ نہ سمجھا تھا۔
"یہ آپ ربیعہ پہ اس قدر مہربان کیوں ہیں؟" اس نے نہایت چبھتے انداز میں مجھ سے سوال کیا تھا جس پہ میں کافی حیران ہوا کیونکہ جب سے ربیعہ یہاں بیاہ کر آئی تھی۔ میرا کم از کم دو مرتبہ اس سے سامنا ہوا تھا اور ہاں ابھی کچھ دیر قبل میں نے کچن میں اس سے پانی لے کر پیا تھا۔ اس کے ساتھ نور اور ایمان بھی تھیں۔ میں نے نور سے پانی مانگا تھا لیکن مجھے ربیعہ نے پانی دیا۔ جس کا میں نے تو کوئی نوٹس لیا۔ البتہ ایمان کو میں نے اپنی طرف مسکراتے دیکھا تھا۔ اور شاید اسی نے ہی مجتبیٰ کو وہم میں ڈالا تھا۔
"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" میرا جی چاہا اسے زور کا ایک تھپڑ لگا دوں کہ دوبارہ وہ ایسی بات نہ کرے۔
"یہ بکواس نہیں ہے۔ آپ واقعی مجھے بہت غلیظ نظروں سے دیکھتے ہیں۔" ربیعہ جو شاید باہر کھڑی سن رہی تھی اب اندر آکر جھٹ اس نے مجھ پہ اک جھوٹا الزام دھر دیا۔ اس کی اس دیدہ دلیری پہ میں حیران رہ گیا۔ اور اس کے بولنے پہ اس کا شوہر بھی بھڑک اٹھا۔ میں نے صفائی پیش کرنی چاہیے لیکن کسی نے کب میری سنی تھی جواب سن لیتے۔
وہ مجھے دھمکیاں دیتا اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا باہر چلا گیا۔ میں سر دونوں ہاتھوں پہ گرا کر بیٹھ گیا۔ اور پھر جب [illegible] نے بات کو بڑھانا اپنا فرض سمجھا۔ گھر والے مجھے گھر چھوڑنے پہ مجبور کرنے لگے۔

☼ ☼ ☼

مجھے گھر والوں کی طرف سے بہت ذہنی اذیت مل رہی تھی۔ میرا جی چاہ رہا تھا میں سچ مچ گھر چھوڑ دوں۔ لیکن اس موقع پر بھی ماہین نے میرا ساتھ دیا اور ہر ممکن طریقے سے مجھے ذہنی اذیت سے نکالنا چاہا۔ میں اس کا بہت شکر گزار تھا کہ جب بھی میں نے کوئی تکلیف محسوس کی وہ اس تکلیف کا درد اپنے سینے میں [illegible] اور مجھے ہلکا پھلکا کر دیتی اسی لیے اب میں نے اسے ہمیشہ کے لیے اپنے قریب کر لینا چاہا تھا۔ میں پاپا کو اس کے گھر لے گیا۔ اور ہماری شادی طے ہو گئی۔ مما ایک بار پھر بدک اٹھیں اور ہر وقت طعنے تشنے دینا ان کا معمول بن گیا اب میں ان کو نظر انداز کرنے لگا تھا۔ مڑ کر کبھی انہیں جواب نہ دیتا۔ وہ ــــ طعنے دیتی رہتیں۔ لیکن میں سن کر بھی خاموشی سے آگے بڑھ جاتا۔
انہی دنوں ارتضیٰ اور ایمان کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا تھا۔ مجھے صرف اتنا پتا چلا کہ ارتضیٰ نے ایمان کو کسی لڑکے کے ساتھ ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ جھگڑا ہوا، جھگڑے کے ٹھیک تین دن بعد وہ رات کو گھر واپس نہ لوٹی اور اس لڑکے سے شادی کرلی۔ میں نے اپنے تئیں اس لڑکے کے بارے میں معلومات لینی چاہی تھیں اور پھر مجھے پتا چلا وہ ہمارے ہی آفس میں کام کرتا تھا اس کا نام ارسل بٹ تھا راولپنڈی سے تعلق رکھتا تھا۔ میں ذاتی طور پر بھی اس کو جانتا تھا کیونکہ وہ ماہین کی کزن کا منگیتر تھا۔
اس کی ریپوٹیشن اچھی نہیں تھی، میں نے کئی بار اسے لڑکیوں کے ساتھ دیکھا تھا۔ باتوں باتوں میں اسے سمجھانا بھی چاہا تھا، لیکن وہ ہنس دیتا۔
یہ تو ایمان کے گھر چھوڑنے کے تین دن بعد ہمیں پتا چلا کہ اس کا تعلق کسی ایجنسی سے تھا۔ جب اس نے دو لڑکیاں شارجہ سپلائی کیا تو وہ پولیس کے ہتھے چڑھ گیا چونکہ وہ دونوں لڑکیاں (جن میں ایمان بھی تھی) شارجہ پہنچ چکی تھیں اور ارسل ابھی یہیں تھا اسی لیے کوئی خاص ثبوت نہ ملنے پر وہ جلد ہی رہا ہو گیا اور ادھر شارجہ میں پہلے ہی دن کئی عورتوں کے ساتھ ایمان بھی پکڑی گئی ادھر مما کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ وہ

ہسپتال میں تھیں کہ میری شادی کا دن بھی آن پہنچا [illegible] نے شادی ملتوی کرنی چاہی تھی لیکن ماہین کے ابو [illegible] بہت پیار تھے اور چاہتے تھے کہ فوراً سے پیشتر یہ شادی ہو جائے۔ جس دن میری شادی تھی۔ اسی دن ارتضیٰ گھر چھوڑ کر لندن چلا گیا اس کی بیوی اور ایک بیٹا اس کے ساتھ تھے۔ وہ ناراض ہو کر دور دیس جا بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا "مجھ سے لوگوں کی باتیں نہیں سنی جاتیں۔" میرے نکاح کے وقت میرے ساتھ صرف میرے پاپا تھے۔ مما صبح ہی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر آئی تھیں لیکن میرے ساتھ جانا انہوں نے ضروری نہ سمجھا۔ مجتبیٰ بھی گھر میں منہ چھپائے بیٹھا تھا شاید اسے ابھی تک یہ پتا نہ چلا تھا کہ میں نے اور پاپا نے اپنے اثر و رسوخ استعمال کر کے ایمان کو وہاں سے چھڑا لیا تھا اور اب وہ ہسپتال میں ایڈمٹ تھی۔ کیونکہ اسے اپنے [illegible] سے ارسل کی طرف سے طلاق کے کاغذات ملے تھے۔ جو اس نے اسے ایئرپورٹ پہ ہی دیے تھے اور کہا تھا کہ وہ شارجہ جا کر ان پیپرز کو دیکھے۔ پے در پے [illegible] قیامتیں ٹوٹی تھیں اسی لیے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائی اور ہسپتال میں ایڈمٹ تھی۔ میں جب ماہین کو لے کر گھر آیا تو ہمارا گھر سنسان پڑا تھا، گھر میں صرف ربیعہ تھی۔ اسی نے بتایا کہ مما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ نور اور مجتبیٰ انہیں لے کر ہسپتال گئے ہیں وجہ پوچھی تو اس نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا جس پہ میں ٹھٹک گیا۔ میں ماہین کو اپنے بیڈ روم میں چھوڑ کر اس کے پیچھے اس کے کمرے میں آیا۔
"کیا وجہ ہے ربیعہ آج مما کی طبیعت پھر....."
"یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔"
"میری وجہ سے؟" پہلے میں دروازے میں کھڑا تھا لیکن اتنی پریشانی میں میں کچھ سمجھ ہی نہ سکا اور دو قدم آگے بڑھ آیا۔
"یہ گھر آپ نے اپنے نام کرا لیا ہے؟" اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا وہ بول پڑی۔
"ابھی کچھ دیر قبل مما اور پاپا کے درمیان جھگڑا ہوا ہے۔ مما کہہ رہی تھیں کہ وہ آپ کو اس گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ گھسنے نہ دیں گی۔" باہر کسی کے چلنے کی آواز آئی تھی، لیکن میں ذہنی دباؤ کی وجہ سے ادھر کوئی توجہ ہی نہ دے سکا۔
"لیکن پاپا کہہ رہے تھے....." ربیعہ نے غیر محسوس طریقے سے میرے پیچھے دروازہ بند کر دیا جو میں محسوس ہی نہ کر سکا۔ "کہ انہوں نے یہ گھر آپ کے نام کر دیا ہے، یہ گھر اب صرف مصطفیٰ کا ہے۔" اس نے اتنی اونچی آواز میں کہا تھا کہ میں دروازے کے پار ابھرتی چاپ بھی سن نہ سکا۔
"یہی وجہ تھی مما پاپا کے جھگڑے کی۔" وہ پیچھے مڑی اور تیزی سے لائٹ آف کر دی اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتا۔ کسی نے زور سے دروازہ کھولا تھا۔
"ربیعہ!" مجتبیٰ کی آواز نے میرے سر پہ آسمان گرا دیا۔
"مجتبیٰ دیکھیں، دیکھیں انہیں۔" اندھیرے میں ربیعہ کی روہانسی آواز نکلی، میں ہراساں نظروں سے اندھیرے میں اسے دیکھنے لگا لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ مجتبیٰ نے لائٹ آن کر دی اور میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
وہ بیڈ پہ ایک جانب گری ہوئی تھی۔ دوپٹا نیچے پڑا تھا، بیڈ کی چادر بھی اس نے تیزی سے خراب کی تھی کچھ دیر قبل جو لپ اسٹک اس کے ہونٹوں پہ سجی تھی، اب اس نے ہاتھ مار کر بائیں گال کی طرف بھی کھینچ دی تھی۔ بال شاید اس کے پہلے ہی کھلے ہوئے تھے۔
"بے غیرت، بے شرم۔" مجتبیٰ مجھ پہ چیل کی طرح جھپٹا تھا اور مجھ پہ لاتوں گھونسوں کی برسات کر دی۔ ربیعہ برابر رو رو کر اسے طیش دلا رہی تھی۔ باہر سے مما اور نور بھاگی آئیں اور اس کے پیچھے میری شریک حیات۔ پہلے دن کی دلہن ماہین بھی آئی تھی اور اب دروازے میں کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔
"دکھا دی نا گندے خون کی اصلیت بے غیرت، بے حیا۔" مما نے بھی مجتبیٰ کا ساتھ دیا اور مجھے مارنے پیٹنے لگیں میں ہق دق سا اس بہتان پہ کھڑا مار کھا رہا تھا۔ اور روتی ربیعہ کو دیکھ رہا تھا۔

postedon
oneurdu.com
UrduPhoto.com

"اسے کیا دیکھ رہا ہے' گھر کی عزت کا ہی خیال کر لیتے۔ اپنا آپ گھر کی عزت پر ہی دکھانا تھا نا ہنجار!" مما ہاتھوں کے ساتھ برابر زبان بھی چلا رہی تھیں۔

"گندے خون کا دھبا گندہ ہی ہوتا ہے۔" میں نے صفائی پیش کرنی چاہی۔ لیکن مجتبیٰ کے منہ سے کف اڑ رہا تھا۔

"نور....." میں نے آخری آس پہ صرف نور کو دیکھا تھا کیونکہ وہی میرا یقین کر سکتی تھی۔

"توقع تو نہیں تھی لیکن یہ سچ ہے رگوں میں دوڑتا خون اپنا آپ ضرور دکھاتا ہے۔" آج اس نے مجھے گندہ خون کہہ دیا تھا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پالا تھا۔ جو مجھے صرف اپنا لگا تھا۔ جس کو میں نے اپنے سگی بہنوں کی طرح چاہا تھا اور آج اس مقام پہ اس نے میرا یقین نہ کیا تو میں اندر سے ڈھے سا گیا۔ میں نے دروازے سے ماہین کو روتے ہوئے ہٹتے دیکھا۔

"ماہین۔" نجانے کیسے میں نے خود کو ان کے شکنجے سے چھڑایا تھا اور اس کے پیچھے بھاگا۔

"ماہین میرا یقین کرو یہ سب جھوٹ ہے' مجھ پہ الزام لگایا گیا ہے۔ ماہین یقین کرو....."

"مجھے طلاق دو۔"

"میں قسم کھانے کو تیار ہوں ماہین مجھ پہ الزام لگایا گیا ہے میں' میں۔"

"میں نے کہا ہے مجھے طلاق دو ابھی اور اسی وقت۔"

"ماہین یہ سب جھوٹ ہے۔ جس کی چاہو مجھ سے قسم لے لو۔ ربیعہ نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔" میں نے گڑگڑا کر اس کی منت کی تھی۔

"مجھے نہیں پتا تم مجھے طلاق دو۔" وہ بیگ اٹھائے کھڑی تھی۔

"ماہین پلیز....." میں نے اس کے ہاتھ سے بیگ لینا چاہا۔

"میں کہتی ہوں مصطفیٰ تین لفظ بولو ورنہ میں یہیں کہیں اپنی جان دے دوں گی۔"

"ماہین مجھے سمجھنے کی کوشش کرو تم تو مجھے جانتی ہو نا۔ میں ایسا ہوں؟"

"جو بھی ہے میں نے خود تمہیں اپنی آنکھوں سے اس کمرے میں جاتے دیکھا ہے۔ شکر ہے مجھے پہلے ہی دن ہوش آگیا اور میں تمہاری اصلیت جان گئی۔"

"ماہین رضا میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ باہوش و حواس طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں۔" میرے منہ سے نکلا اور میں وہیں بیٹھ گیا۔ پچیس ستمبر کو وہ مجھے پہلی بار ملی تھی تو زندگی کی نوید ملی۔ اگلے پچیس ستمبر کو صرف پانچ گھنٹوں بعد وہ مجھے چھوڑ گئی اور زندگی مجھ سے روٹھ گئی۔ میں کھانا' پینا' سونا' جاگنا بھول گیا۔

مما اور نور گھر چھوڑ گئیں۔ مجتبیٰ اور ربیعہ بھی لندن جا بسے اور میں ایک بار پھر اکیلا رہ گیا۔ کبھی کبھار خالہ اماں آجاتیں یا میں چلا جاتا' ورنہ پاپا کے علاوہ میرا کسی سے کوئی رابطہ نہ رہا۔ مجھے زندگی سے نفرت ہو گئی کیونکہ ماہین میری زندگی تھی اور اس کے بغیر ان بے نام سانسوں کا ساتھ مجھے بہت اذیت دیتا تھا۔ مجتبیٰ وغیرہ کے لندن جانے کے بعد ربیعہ نے ایک بار مجھے فون کیا تھا اور کہا تھا۔

"مجھے معاف کر دیجیے گا مصطفیٰ۔ میں آپ سے دور جانا چاہتی تھی۔ آپ قریب ہوتے ہیں تو میرا دل میرے اختیار میں نہیں رہتا' مجتبیٰ کے ساتھ میں بے ایمانی نہیں کر سکتی اس لیے مجتبیٰ کو کتنی بار کہا کہ وہ یہ گھر چھوڑ دیں یا آپ کو وہاں سے نکال دیں جب کوئی راستہ نظر نہ آیا تو مجبوراً مجھے یہ سب کرنا پڑا۔"

اس نے بڑے آرام سے معافی مانگ لی' لیکن میری زندگی خراب ہو چکی تھی گیا وقت واپس نہیں آسکتا تھا۔ وہ وقت گزر چکا ہے اب دنیا میں میرا کوئی نہیں سوائے پاپا' خالہ اماں اور تمہارے۔"

اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو ستے ستے چہرے پہ کرب اذیت اور بے بسی کا احساس نمایاں تھا۔ "جانتی ہو نا جو لوگ مجھے چھوڑ جائیں میں نے دوبارہ انہیں کبھی بلایا نہیں۔ زندگی میں پہلی بار کسی کو بلا رہا ہوں اور وہ تم ہو۔" سرخ آنکھوں میں جیسے دنیا جہاں کا درد سمٹا ہوا تھا پھر وہ لب بھینچ کر آنکھیں موند گیا۔

UrduPhoto.com

ماہا نے بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ اس کے رگیں اس کی کسی سوچ کی غماز تھیں۔ وہ کچھ دیر تو بہت غور سے اسے دیکھتی رہی۔ بہت آہستگی سے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما تو وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا۔ ماہا کی آنکھیں بہت خاموشی سے بہنے لگیں۔

"معافی کی حق دار تو میں ہوں مصطفیٰ، معافی تو مجھے مانگنی چاہیے، بنا سوچے سمجھے آپ سے متنفر ہو گئی، بالکل ماہین کی طرح ری ایکٹ کیا۔ نہ آپ سے کوئی وجہ پوچھی نہ آپ سے صفائی مانگی اور ناراض ہو کر بیٹھ گئی۔ بری ہوں نا میں مصطفیٰ، معافی مجھے مانگنی چاہیے تھی اور مانگتے آپ رہے، مجھے روکنے کی کوشش کرتے رہے اور میں..." وہ اس سے آگے کیا کہہ سکتی تھی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ مصطفیٰ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"کیا اب بھی چھوڑ کے جاؤ گی؟"

"جا سکتی ہوں میں؟" اس نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

رندھی آواز میں وہ بولی تو مصطفیٰ کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ مصطفیٰ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

وہ ایک دم سے پیچھے ہٹ گئی تو مصطفیٰ حیران ہوا۔

"ابھی میں آپ سے ناراض ہوں۔"

"کیوں؟" وہ پریشان ہوا۔

"ہماری شادی کو کتنا عرصہ بیت گیا۔"

"کیوں؟"

"تب سے لے کر آج تک آپ نے مجھ سے کتنی بار اظہار محبت کیا ہے؟ کتنے رومینٹک جملے بولے ہیں یاد ہے آپ کو؟" وہ اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

"صرف ایک بار سچ محبت کا اظہار کیا، جس میں نے طلاق کا مطالبہ کیا تب۔" نہ صرف لہجہ شکایتی تھا بلکہ انداز بھی شکوے شکایتوں سے پر تھا۔ بے اختیار مصطفیٰ کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری جو فوراً اس نے چھپا لی۔

"میری جان پہلے پہل اظہار اس لیے نہ کیا کہ مجھے خدشہ تھا ایک نہ ایک دن تم بھی مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی میں تم سے محبت نہیں کرنا چاہتا تھا ——— لیکن وقت کے ساتھ ساتھ خالہ ماں کی اس بات کی تصدیق ہوتی گئی کہ ماہا بہت پیاری بچی ہے اسے محبت کرنا آتی ہے، جس سے روٹھتی ہے اسی کے سینے میں چھپ کر روتی ہے۔" اس نے بہت محبت سے اسے اپنے قریب کیا تھا اور اب اس کے بال سنوار رہا تھا۔

"خالہ اماں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ ماہا بہت محبت کرنے والی بچی ہے۔ تمہیں سمیٹ لے گی۔ تمہیں اس قدر محبت دے گی کہ تم اپنی پچھلی زندگی بھول جاؤ گے لیکن خالہ اماں نے تمہارے حوالے سے ایک بات غلط کہہ دی تھی۔"

"وہ کیا؟" بے اختیار وہ پوچھ بیٹھی۔

"انہوں نے کہا تھا کہ ماہا چاہے کسی سے جتنا بھی ناراض ہو جائے لیکن اگلے بندے کو کبھی سزا نہیں دیتی لیکن یار یہ بات مجھے ذرا ہضم نہیں ہوئی کیونکہ تم تو پچھلے چار پانچ ماہ سے مجھے سزا دیے جا رہی ہو۔"

"میں نے کب آپ کو سزا دی؟"

"پچھلے پانچ ماہ سے ایک ہی کمرے میں موجود ہو کر مجھے اپنے سے اتنا دور کیے رکھا کہ میں تو یہ بھی بھول گیا ماہا ہے کیسی؟"

"وہ تو آپ کی وجہ سے۔"

"یار! اچھے شوہر کو ایسی سزا نہیں دیتے۔"

"آپ اچھے کب سے ہو گئے۔"

"ابھی ہو جاؤں گا نا ابھی تم سے محبت بھری باتیں کروں گا آخر تمہیں منانا بھی تو ہے اور مجھے امید ہے تم فوراً مان جاؤ گی۔"

"مان تو جاؤں گی مگر... بدلے بھی سارے لوں گے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ اس کی بات پر مصطفیٰ بھی طمانیت سے ہنس دیا۔

☆ ☆

Urdufiction.com